تعمیر حیات

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

★

جماعت کا ثواب

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر اور دوکان پر نماز پڑھنے سے جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب کچھ اوپر بیس گنا زیادہ ملتا ہے جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد میں آئے اور نماز ہی کا ارادہ کرکے گھر سے نکلا ہو تو ہر قدم پر اس کا درجہ بلند کیا جائے گا اور اس کی خطائیں دور کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہوگا تو نماز میں شمار ہوگا، اور جب تک وہ مسجد میں نماز کی نیت سے رکا رہتا ہے فرشتے اس کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں، اے اللہ اس پر رحم کر اور اس کو بخشدے اور اس کی توبہ قبول کر جب تک باوضو رہے۔

(بخاری، مسلم)

★

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

★

۱۳ صفر ۱۳۹۱ھ
مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۷۱ء

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ○ ○ قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

Regd. No. L 1991
FORTNIGHTLY
Phone 22948

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

معلم الانشاء

از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد واضح صاحب ندوی [illegible]

[illegible]

کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبد الماجد ندوی) قیمت [illegible]

حصہ دوم [illegible]

حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) [illegible]

الأدب العربي

بين عرض و نقد

از مولانا سید محمد رابع ندوی۔ ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے [illegible] دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔

اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے
ادب کی حقیقت ✽ تنقید و تجزیہ ✽ ادبی نمونے

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے۔

(قیمت صرف چار روپے)

دہلی اور اسکے اطراف

[illegible]

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ

از مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی

[illegible]

قیمت [illegible]

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی [illegible]

[illegible]

قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow

مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۷۱ء

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

مطابق ۱۳ صفر ۱۳۹۱ء

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد (۸) شمارہ ۱۱

چندہ

سالانہ ۸ روپے

ششماہی ۴ روپے

فی کاپی ۳۵ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سدِ سکندری کی نہیں سدِ ایمانی کی ضرورت ہے!

محمد الحسنی

اس زمانہ میں ڈیم بنانے کا بہت رواج ہے اور اس میں شک نہیں کہ معاشی حیثیت سے آج اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ جو پانی پہلے ضائع ہوتا تھا اس کو محفوظ اور جمع کر کے بڑے بڑے کام لئے جاتے ہیں۔ زمین کا بڑا رقبہ زیرِ کاشت آجاتا ہے کارخانوں کے لئے بجلی پیدا ہوتی ہے، بہت سے آدمیوں کو روزگار ملتا ہے، دیہی علاقوں میں بجلی اور پانی کی آسانی ہو جاتی ہے، مواصلات کا سلسلہ بڑھتا ہے اور آمد و رفت کے ذرائع مستحکم ہوتے ہیں، انفرادی اور قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور پیداوار کہیں سے کہیں پہونچ جاتی ہے، اگر ایمانداری اور خلوص نیت سے کام کیا جائے تو یہ سارے فوائد اور نتائج یقیناً متوقع ہیں۔

مگر تصویر کا رنجیدہ پہلو یہ ہے کہ جتنی فکر اور توجہ آج حکومتوں کو خواہ وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی، ان سب باتوں کی طرف ہے اس کا عشرِ عشیر بلکہ ایک فیصدی بھی ان مسائل کی طرف نہیں جو اس سے زیادہ اہم اور نازک ہیں، مثلاً ملک کا اخلاقی جذام، وہ ضمیر جس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے، احساس ذمہ داری جو بجھ کر مفقود ہوتا جا رہا ہے، بے قید زندگی جس کی تبلیغ علانیہ گلی کوچوں میں کی جا رہی ہے، روپیہ کا عشق، اور کرسی کا جنون، کرپشن اور قمار بازی، ایسا کیوں ہے، اور اتنی بڑی اور کھلی ہوئی حقیقت تک اتنے بڑے بڑے ذہنوں کی رسائی آخر کیوں نہیں ہوتی ہے؟

یہ ایک فطری سوال ہے لیکن اگر ہم غور کریں گے تو اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ دل کی دنیا لٹتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے اس سانحہ کا علم ہم کو نہیں ہو پاتا، ہماری یہ مادی نگاہیں جہاں تک پہونچتی ہیں ان کا دائرہ بڑھتا ہے بڑی دوربین لگانے کے بعد بھی ایوانِ حکومت یا تختِ سلطنت سے آگے نہیں بڑھتا۔

ہمیں صرف یہ نظر آتا ہے کہ اتنی زمین خشک اور بے آب و گیاہ پڑی ہوئی ہے یہ نظر نہیں آتا کہ اتنے دل بنجر اور ویران ہو چکے ہیں، یہ نظر آتا ہے کہ اتنے دیہات روشنی اور بجلی سے محروم ہیں، یہ نظر نہیں آتا ہے کہ کتنی آنکھیں بے نور ہیں۔ کتنی عقلوں پر مہر لگ چکی ہے اور کتنے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں۔

ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ اتنے خاندان دولت سے محروم ہیں، یہ دکھائی نہیں دیتا کہ پوری پوری آبادیاں اور بعض اوقات پورے پورے ملک ایمان کی روشنی سے محروم، اور انسانیت کے اولین تقاضوں شرافت کے معمولی اصولوں اور دیانت و امانت کی ابتدائی قدروں تک سے نا آشنا ہیں۔

ہمیں یہ نظر آجاتا ہے کہ ہمارے اتنے بچے علم سے محروم ہیں اور حروف نہیں پہچانتے، یہ نظر نہیں آتا کہ یہ لاکھوں کروڑوں انسان اپنے خالق اور مالک سے ناواقف، رسول اور اس کی تعلیمات سے نا آشنا، اور آخرت سے بے فکر و بے خبر ہیں اور ان کے دل میں خدا کا خوف اور خدا کی عظمت اور محبت کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا۔

وبائی امراض کے لئے ہمارے یہاں ٹیکوں، شفاخانوں اور قرنطینہ کا انتظام ہے لیکن جو اخلاقی وبائیں، سنیما، ریڈیو، جنسی اخبارات و رسائل، جاسوسی ناولوں عریاں تصویروں مخربِ اخلاق پوسٹروں اور اشتہاروں اور فحش گانوں کے ذریعہ اور رقص و موسیقی اور آرٹ کے نام پر تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہیں اس کے لئے کوئی شفاخانہ کوئی قرنطینہ اور کوئی حفاظتی قانون ہمارے پاس نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہمیں کسی وقت محسوس ہوتی ہے۔

اخلاقی پستی کے اس طوفان بلاخیز کے لئے جو پورے ملک اور معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے کسی اسوان، منگلا، یا بھاکرا ڈیم کا خیال ہمارے دماغ میں نہیں آتا۔

نیل و فرات، راوی و جہلم اور گنگا و جمنا کے بحر و سیلابوں کے نقصانات اور تباہ کاریاں تسلیم لیکن بد اخلاقی، کرپشن، بے حیائی و بدمستی اور دولت کی چاہ کا جو سیلاب آج ہر سو ساتھی میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق کے بغیر گلے گلے رہا ہے

ہندوستان کی ایک عظیم مسجد ایک اہم دار العلوم

مسلم فرمانرواؤں کی اسلامی خدمات میں سب سے نمایاں ان کے قائم کردہ دینی مدارس تھے۔ مدرسہ جہانگیری، مدرسہ صدیقی، مدرسہ بلقیسی، مدرسہ سلیمانیہ، مدرسہ احمدیہ، مدرسہ حمیدیہ یہ تمام مدرسے دینی مدارس تھے۔ علوم اسلامی کی تعلیم ہوتی تھی ان مدارس میں مدرسہ جہانگیری اور مدرسہ حمیدیہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ یہ دونوں مدرسے احاطہ تاج المساجد کے اندر قائم کئے گئے تھے۔

شاہجہاں بیگم کے عہد میں بھوپال کو مولوی جمال الدین خاں صاحب جیسے علم پرور اور اولو العزم وزیر اور نواب صدیق حسن خاں بہادر جیسے متبحر عالم اور کثیر التصانیف مصنف میسر آئے تھے جنھوں نے جید علماء کو جمع کیا انھیں میں سے دورِ آخر میں شیخ حسین ابن محسن انصاری یمنی جیسے امام فن حدیث اور استاذ الاساتذہ تھے جن سے سارے ہندوستان نے فیض اٹھایا۔ اسی دور میں شاہ ولی اللہ صاحب کی معرکۃ الآراء تصانیف "حجۃ اللہ البالغہ" "ازالۃ الخفاء" علامہ ابن حجر کی "فتح الباری شرح بخاری" "تفسیر ابن کثیر" اور "نیل الاوطار" بصرف زرِ کثیر طبع ہوئیں۔ اس کے علاوہ تفسیر، حدیث، ادب، اخلاق، تصوف، لغت اور فقہ و منطق، مختلف علوم و فنون میں عربی فارسی اردو ہر سہ زبانوں میں صرف نواب صدیق حسن خاں صاحب کی تقریباً تین سو تصانیف ہیں جو اس علم پرور دور میں شائع ہوئیں۔

عہدِ سلطانی: اس کے بعد سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال کے عہد میں جب سیرۃ النبی کے نام سے سید العالم سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کی تدوین و تشریح و اشاعت کے لئے مالی امداد و اعانت کی ضرورت پیش آئی۔ تو یہ شرف بھی اللہ جل شانہ نے فرمانروائے بھوپال کے نصیب میں مقدر فرما دیا تھا۔ یعنی سرکار سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی معاون بن گئیں۔

اسی ریاست بھوپال نے مکہ اور مدینہ میں حجاج کرام کی رہائش و آسائش کے لئے رباطیں بنوائیں۔ اپنے حدود ریاست میں مسجدیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ اس عہد کی تمام تعمیریں آج بھی موجود ہیں۔ شہر بھوپال آنے والے سیاح تاج المساجد کو خاص طور پر دیکھتے ہیں ان میں بھوپال کی عظیم یادگار تاج المساجد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

تاج المساجد بھوپال:- یہ مسجد دنیائے اسلام کی چند وسیع

ترین مساجد میں سے ایک ہے اپنے رقبہ کے لحاظ سے کم سے کم ہندوستان میں اس سے وسیع مسجد نہیں۔

سرکار سلطان جہاں بیگم صاحبہ سابق فرمانروائے بھوپال اپنی تصنیف "حیات شاہجہانی" میں تحریر فرماتی ہیں کہ

"تمام فرمانروایان بھوپال نے مساجد تعمیر کرائیں لیکن سرکار خالدیہ شاہجہاں بیگم" کی بنوائی ہوئی مسجدیں سب سے زیادہ ہیں۔ ان مساجد میں جو سب سے زیادہ عظیم الشان وسیع اور بلند مسجد ہے اس کا نام "تاج المساجد" ہے اور یہ مسجد بالکل جامع مسجد دہلی کے نمونہ پر ہے اور اپنے بانی کے حوصلے اور مذہبی عظمت کی مظہر ہے۔

۱۹۴۷ء ہندوستان کے لئے انقلابی سال ہے یہ ملک برطانیہ کے تسلط اور تسلط سے آزاد ہوا بلا شبہ آزادی ملک کسی بھی ملک کے لئے سرتاسر رحمت و مسرت ہوتی ہے لیکن مختلف اسباب کی بنا پر یہ دور آزادی علماء کو کے زندہ رہنے، اپنی صلاحیت اور افادیت ثابت کرنے، اپنے قوت ارادی اور زور بازو سے اپنے علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کو باقی رکھنے کا ایک بڑا امتحان تھا۔ اور بھوپال کی اسلامی ریاست ختم ہونے کی بنا پر مدارس و مساجد اور اپنے دینی نظام کو باقی رکھنے کی ذمہ داری اس ریاست میں بسنے والے عام مسلمانوں پر آگئی تھی۔

دار العلوم تاج المساجد کی تاسیس و تعارف:-

ریاست بھوپال کا بھی جب انضمام ہوا اور ہمارے ملک نے جمہوریت اور لامذہبی ریاست کا اعلان کر دیا تو جہاں محکمہ قضا و افتاء، اور محکمہ مساجد وغیرہ تمام ایسے محکمے ختم ہوئے جن کا تعلق مذہب سے تھا، وہاں تمام دینی مدارس بھی بند کر دیئے گئے۔

اس عالم بیچارگی میں توکلا علی اللہ دار العلوم بھوپال کی بنیاد رکھی گئی اور خدا کے فضل و کرم سے اس دار العلوم کو تاج المساجد جیسی خوبصورت، خوش منظر عظیم الشان اور وسیع تر مسجد مل گئی۔ اب اسی مسجد میں دار العلوم بھوپال بھی ہے اور اسی میں طلبہ دین کی اقامت گاہ بھی، اور اس طرح اب یہ مسجد تعلیم و تربیت کا ایک بڑا مرکز ہے۔

یہ مسجد شہر سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے ویران تھی اور اپنی ویرانی کی وجہ سے جرائم پیشہ لوگوں کی کمین گاہ بن گئی تھی۔ لیکن اب یہ نمازیوں سے آباد و پر رونق ہے ——— تفسیر قرآن اور حدیث کے درس سے علم فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم سے حفظ کلام اللہ اور تجوید قرأت کی مشق سے ہمہ گیر انداز پر سالانہ دعوت و ارشاد کے اہتمام سے اس مسجد کا گوشہ گوشہ آباد ہے۔ لیکن جہاں ہر آنے والے کو یہ منظر مسرور کرتا ہے وہاں اس کو

(باقی صفحہ آخر پر)

تاج المساجد بھوپال کا تشنۂ تکمیل شمالی دالان و شمالی دروازہ جس میں عنقریب تعمیری کام شروع ہونے والا ہے

اس کے لئے بھی ایک سد ایمانی کی ضرورت ہے، یہ اینٹ پتھر یا سیمنٹ اور فولاد کی کوئی سد سکندری نہیں، خدا کے خوف، دوسری زندگی کے یقین، حیا وغیرت، سچی انسانیت دوستی، ضمیر کے محاسبہ اور سچائی وحق پرستی کی وہ سد ایمانی ہے جس کا ڈیموں، پلوں اور پشتوں سے کہیں زیادہ اہم ہے جو پانی کے بچاؤ یا پانی کی حفاظت، یا آبپاشی اور بجلی کے لئے قائم کئے جاتے ہیں اور ان پر کروڑوں اور اربوں روپیہ اور دل و دماغ کا سب سے قیمتی سرمایہ اور انسانی کاوش کا بہترین نچوڑ بآسانی صرف کر دیا جاتا ہے۔

ہمارے یہ ڈیم اور منصوبے جتنے بھی عالیشان ہوں، اگر ہماری قوم اخلاقی ذمہ داری اور پامردی کی مردانہ صفات سے محروم ہے تو یہ اس کے کسی کام نہیں آ سکتے اس کو کسی اندرونی خطرہ اور بیرونی حملے سے بچا نہیں سکتے اور اس کے زوال و ادبار کو ملتوی نہیں کر سکتے یہ قوم کے سامنے دھوکہ کی ٹٹی بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کے جھوٹے غرور یا غفلت و بدمستی کو غذا بہم پہنچاتے ہیں۔ پہاڑ کی طرح اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو آگے دیکھنے سے باز رکھتے ہیں، قوم ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی ہے کہ دنیا کے فلاں حصہ میں فلاں قوم کی سیاسی و معاشی بالادستی قائم ہے لیکن یہ ساری عمارت دراصل اخلاقی کمزوری کی ریت پر ہوتی ہے اور ایک صدمہ کی بھی تاب نہیں لا سکتی۔

ہندوستان سے لے کر مصر و شام اور مراکش تک ترقی کا معیار صرف ایک سمجھا جا رہا ہے۔ بائی ڈیم اور عالیشان ہوٹل، اسوان کا ہائی ڈیم بحر روم کے اس پورے علاقہ کا بڑا ڈیم ہے، لیکن جب اسرائیل نے حملہ کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ ادھر بندہ تیار ہو تا رہا اور ادھر قوم کھوکھلی ہوتی رہی، راز بیچے گئے، میدان جنگ میں حیا ناپال کی گئیں یہودی جاسوس لڑکیاں فوجی افسران سے رابطہ رکھتی رہیں، نوجوان ٹیلی ویژن کے عریاں پروگرام، عبدالوہاب اور ام کلثوم کے نغمے اور خواب آور یا نشہ آور تقریریں سننے میں مشغول رہے یا آلین میں ڈوبے رہے اور اقتدار کی رسہ کشی میں مصروف رہے، رقص گھر اسی طرح آباد اور سمندر کے ساحل اسی طرح پر رونق رہے۔ بکثرت لوگوں نے ملک سے غداری کی اور اس کے خلاف سازشیں کیں۔

یہ سب قوم کی اخلاقی قوت اور جوہر مردانگی سے غفلت، ایمان کی تحقیر، خدا کے خوف اور آخرت کے محاسبہ سے بے پرواہی کا ادنیٰ نتیجہ تھا۔ جو ایک معرکہ میں ظاہر ہو گیا۔

شاید ہم نے سمجھ لیا تھا کہ اسوان ڈیم سے قوم میں اخلاقی جرأت و استقامت بھی پیدا ہو جائے گی اس کا کردار اور مضبوط ہو جائے گا اس کے اندر ایثار وقربانی، اور جذبہ مرد و جوانمردی و حوصلہ مندی بھی پیدا ہو جائے گی، دولت اور جنس کوئی چیز اس کو لبھا نہ سکے گی، اور آزمائش کی کوئی سخت گھڑی اس کے قدموں کو متزلزل نہ کر پائے گی۔

اسوان ڈیم یا دنیا کا جو بھی ڈیم ہو) وہ اپنا کام ضرور پورا کرے گا، اس سے وہ فوائد بھی حاصل ہوں گے جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے لیکن قوم کی اخلاقی تعمیر کردار کی تشکیل، اور اس کے ضمیر کی نگرانی اس کا احتساب، اور اس کی قیادت و رہنمائی اس کے بس سے باہر ہے۔

ہمارے منصوبے اور پروگرام بہت مبارک اور مفید ہیں، بہت ضروری اور اقتصادی ڈھانچہ کے لئے ناگزیر ہیں لیکن یہ اسی وقت کارآمد ہوں گے اور باقی رہیں گے جب ان سے فائدہ اٹھانے والے باقی ہیں اور اخلاقی کمزوریوں کا شکار ہو کر ان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔

آج نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ پورے عالم اسلام میں اخلاقی پستی اور بدعنوانی کی طوفانی موجوں کے لئے ایک نئے قسم کے بندھ کی ضرورت ہے سد سکندری کے ساتھ آج ہمیں سد ایمانی کی ضرورت ہے جس کا مسالہ اینٹ پتھر اور فولاد نہیں بلکہ تعلیم و تربیت، سنیما کی اصلاح اور ریڈیو، ٹیلی ویژن اور صحافت کو اخلاقی تخریب اور اخلاقی زوال اور وقتی لذت کا ذریعہ بنانے کے بجائے اخلاقی تعمیر، ذمہ داری کا احساس دلانے، مقابلے کی طاقت پیدا کرنے اور کردار کی مضبوطی کا ذریعہ بنانا ہے۔

تھوڑا سا اس بات کا عملی مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ دنیا نیلام کی منڈی یا کوئی قمار خانہ نہیں جہاں صرف روپیہ پر بولی بڑھتی اور ہار جیت کا سودا ہوتا ہے، یہ خدا کی بنائی زمین اور خدا کا دیا ہوا عطیہ ہے، یہ خدا کی ایک بڑی نعمت اور ہماری بڑی نازک ذمہ داری ہے، یہ زندگی بار بار ملنے والی چیز نہیں، صرف ایک دفعہ کے لئے دی گئی ہے اور واپس لینے کے بعد پھر دوبارہ ہرگز نہ مل سکے گی، اس لئے اس کے مہکتے ہوئے گلزار اور چمن میں شریف اور ایماندار، محنتی اور ذمہ دار انسانوں کی طرح رہنا چاہئے، درندوں یا مویشیوں کی طرح یا چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح نہیں۔

ہم اپنے ملک کے ساتھ جو معاملہ آج کر رہے ہیں اس کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ ملک ہمارا نہیں کسی دشمن کا ہو۔ ہر شخص نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس کی دنیا صرف اسکا پیٹ ہے اور اس کو ہر قیمت پر مسلسل بھرتے رہنا ہے، اس کا ملک صرف اس کا اپنا گھر ہے جہاں آرام کی ساری سہولتیں مہیا ہونی چاہئیں چاہے اس کے لئے سینکڑوں انسانوں کا حق مارنا پڑے، اور اس کا وطن صرف اس کا پائیں باغ ہے جہاں دنیا کا ہر پھل، ہر پھول اور ہر نعمت موجود رہنی چاہئے خواہ دنیا بھر کے غریب مزدور پریشان حال اور مقروض، ایک ایک دانے کو ترستے ہوں۔

یہ ایک بڑی خطرناک بیماری اور وبا ہے جس کے لئے انسانیت کے تمام دوستوں اور خاص طور پر مسلمانوں کو جن کے پاس خدا کا آخری پیغام اور نبوت محمدی کی لازوال روشنی ہے آگے بڑھنا چاہئے اور سب سے پہلے اس مہلک بیماری کی طرف توجہ کرنی چاہئے جو گھر گھر پھیل چکی ہے اور جس کے افسوسناک نتائج عرب و عجم ہر جگہ ہماری نظروں کے سامنے آ رہے ہیں۔

بقیہ دارالعلوم تاج المساجد

ان تکمیل شدہ کاموں پر ہم جس قدر خوش ہو سکتے ہیں اس سے زیادہ باقی کاموں کی فکر دامن گیر ہے اور وہ مسلمانوں کی دینی حمیت وغیرت کے لئے ایک مستقل تازیانہ ہے۔

تاج المساجد نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مرحومہ فرمانروائے بھوپال نے ۱۸۸۵ء میں بنوانا شروع کی چودہ سال تک شاہانہ فیاضی کے ساتھ یہ مسجد بنتی گئی ۱۹۰۱ء میں شاہجہاں بیگم صاحبہ نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی، تعمیر مسجد بند ہو گئی۔ تقریباً ۷۰ سال سے یہ نامکمل مسجد محتاج تکمیل ہے۔ اگر تعمیر شکستہ نہ ہوتی تو خدا جانے اتنے سال کی بارشیں اس تعمیر کو کس حد تک منہدم کر چکی ہوتیں اور جن بے بنے حصوں سے اب تک بارش کا پانی اس عمارت میں بیٹھ رہا ہے وہ اب تک اس عمارت کو بالکل تہ و بالا کر چکا ہوتا اب تک جو [illegible] اس کی تلافی ابھی ممکن ہو۔

اس مسجد اور عظیم اسلامی یادگار کی حفاظت کے لئے فوری طور پر چھتوں کی مرمت، مسجد کے میناروں کی تکمیل شمالی دالان کی تکمیل، باب مسجد کی تعمیر، صحن مسجد اور دوسری اہم ضروریات کے لئے تخمیناً ۵ لاکھ روپے درکار ہیں۔

ہم دینی تعلیم و تربیت اور مسلمانوں کی اس عظیم الشان مسجد کی تعمیر و تکمیل کے لئے تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ التفات خاص اور خصوصی توجہ فرمائیں یہ دارالعلوم، یہ دارالاقامہ، یہ تعمیر مسجد تمام مسلمانوں کی اعانت کی مستحق ہیں، جب علوم نبوی مقامی نہیں تربیت نبوی مقامی نہیں اور مسجد جیسی عبادت گاہ مختص المقام مسلمانوں کی ملک دہا گیر نہیں تو قرب و بعد کا سوال نہیں ہے۔ جہاں تک اللہ کے بندگی کا تعلق عام ہے جہاں جہاں نسبت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن ہے وہیں تک علم نبوت کو قائم و دائم رکھنے کی، اس تربیت دینی کو برقرار رکھنے کی، اس مسجد کو آباد و برقرار رکھنے کی، اس مسجد کو آباد و برقرار رکھنے کے ساتھ اس کی تعمیر و تکمیل کی ذمہ داری بھی عام ہے۔ اللہ کے چند حقیر بندوں نے

مشرق اوسط کی ڈائری (۳)

از:- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ترجمہ:- شمس الحق ندوی

اسلام قدیم وجدید سے بالاتر ہے

شنبہ ۱۵-۴-۱۳۷۰ھ مطابق ۲۳-۱-۵۱ء

ساحل مصر پر:-

صبح کی پہلی کرنیں نمودار ہوئیں تو ساحل سویز نظر کے سامنے تھا، ہم دونوں ہی کے منتظر و مشتاق تھے، جہاز لنگر انداز ہوا اور ساحل سے بہت سے اسٹیمر آ گئے، ان اسٹیمروں پر مصر کے سرکاری لباس میں کچھ لوگ سوار تھے، ان کے سروں پر سرخ خوبصورت ترکی ٹوپیاں تھیں، جس سے ہم اپنے وطن ہی سے مانوس تھے، ترکی ٹوپی ہمارے ملک پڑھے لکھے شریف لوگوں کا خاص شعار اور ترکوں سے وفاداری کی علامت سمجھی جاتی رہی ہے۔ ان اسٹیمر سواروں میں سے کچھ لوگوں نے ہمیں سلام کیا اور خوش آمدید کہا، اس وقت ہم کو اسلامی اور غیر اسلامی ملک کا کھلا ہوا فرق محسوس ہوا جس کو وہ مسلمان نہیں محسوس کر سکتا جس نے کسی اسلامی ملک میں آنکھ کھولی ہو اور اس کا نشوونما وہیں ہوا ہو۔

جہاز کے قانونی مراحل طے ہو چکے تو ہم اپنا سامان لئے ہوئے خشکی پر اتر آئے، ہمیں یہ بالکل اندازہ نہ تھا کہ تحقیق و تفتیش اور اندراجات کے کن پریشان کن مرحلوں سے گزرنا ہو گا جو عموماً باہر سے آنے والوں کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

لیکن ایک معقول آدمی ازراہ نوازش ہماری طرف بڑھا اور ایک ایجنٹ یا گائڈ کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کیں، ہم نے اس کی رضاکارانہ خدمت کو قبول کر لیا۔ وہ ہمیں پولیس آفس لے گیا وہاں ہماری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی، جس کی ظاہری شکل و صورت بتا رہی تھی کہ وہ کوئی بڑے افسر ہیں، وہ میری طرف متوجہ ہوئے میرے متعلق دریافت کیا، جب میں نے ان کو اپنا نام بتایا تو وہ بولے کہ جلال صاحب نے قاہرہ سے مجھے تار دیا ہے کہ میں سویز میں آپ کا استقبال کروں اور ضروری سہولت بہم پہنچاؤں، چنانچہ انھوں نے درمیان میں پڑ کر جلد اور آسانی سے سارے مراحل طے کرا دیئے۔ اس ایجنٹ یا رہبر نے موٹر طے کرنے میں ہماری مدد کی، رخصت ہوتے وقت اس خدمت کے صلہ میں ایک معقول رقم ان کو پیش کی۔

سویز سے قاہرہ کو روانگی:-

ہمارا راستہ خشک، بے آب وگیاہ اور غیر آباد و صحرائی علاقہ سے ہو کر گزرتا تھا۔ کچھ مسافت طے کرنے کے بعد ڈرائیور نے موٹر روکتے ہوئے کہا کہ یہاں ہم ظہر کی نماز پڑھیں گے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس مصری ڈرائیور کو میں نے حسن اخلاق، شیریں زبانی اور دینداری میں ہندوستان کے ڈرائیوروں سے بہت ممتاز پایا جو بدکلامی اور بدمعاملگی میں ضرب المثل ہیں اور انہیں دینی فرائض اور نماز کا اہتمام بہت کم بلکہ تقریباً نایاب ہے۔ اس مصری ڈرائیور میں جو خصوصیات مجھے نظر آئیں وہ مصر کے سبھی ڈرائیوروں میں ہیں یا اسی میں اس کا صحیح اندازہ تو مزید تجربوں سے ہو گا۔

تھوڑی دیر بعد ہماری موٹر مصر کی فوجی چھاؤنی کے پاس سے گزر رہی تھی، یہ پہلی چھاؤنی تھی جسے ایک اسلامی ملک میں دیکھنے کا اتفاق ہوا چھاؤنی دیکھ کر بڑی خوشی و مسرت ہوئی اور زبان پر بیساختہ دعا کے الفاظ جاری ہو گئے جب ہم نے مصر میں داخل ہوئے تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم وسطی یورپ کے کسی بڑے شہر میں ہیں، کہیں کہیں مشرقی تہذیب نظر آتی لیکن مغربیت کی آمیزش کے ساتھ ہم قاہرہ کے اندرونی حصہ کی طرف بڑھتے رہے جو دور تک پھیلا ہوا ہے اور بیس لاکھ سے زائد آبادی پر مشتمل ہے، ہم جلال صاحب کے یہاں پہنچے تو ان کے سکریٹری استاذ حسنی صفوت نے برادرانہ طریقہ پر ہمارا استقبال کیا اور خوش آمدید کہا۔

تھوڑی دیر بعد شیخ احمد عثمان تشریف لائے بڑی گرم جوشی سے سلام کیا، اور ہم بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، ایک دوسرے سے تعارف شروع ہوا اتنے میں جلال صاحب نے اپنے سکریٹری کو فون کیا، اور کسی وقتی مشغولیت کے سبب حاضر نہ ہونے پر معذرت ظاہر کی، اور ان کو ہدایت کی کہ آج رات محلہ سیدنا الحسین کے کسی ہوٹل میں ہمارے قیام کا انتظام کر دیں، لیکن ہوٹل کے منیجر نے ہر لیبو کو اس وجہ سے ٹھہرانے سے انکار کر دیا کہ پولیس اور ویزا وغیرہ کی زحمتیں پیش آئیں گی یہاں سے ہم الحقیۃ الخضراء کے مصری ہوٹل میں گئے یہاں بھی وہی بات پیش آئی جو اس سے پہلے پیش آ چکی تھی۔ اس وقت مجھے اجنبیت محسوس ہوئی اس بدسلوکی نے میرے اس خیال کو اور پختہ کر دیا کہ ملاقات کے نئے وسائل و ذرائع نے رکاوٹوں و دشواریوں کو دور نہیں کیا بلکہ ان کو اور بڑھا دیا اور سفر کو پہلے سے زیادہ مشکل کر دیا ہے اس کا اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ مجھے ہوٹل والوں کی بدسلوکی و کم ظرفی سے بڑا تکدر ہوا اور ایک قسم کی ذلت و اہانت محسوس ہوئی، میں نے شیخ عثمان صاحب سے کہا کہ اب ہوٹل میں ہم کسی قیمت پر نہ ٹھہریں گے کہیں بھی قیام کر لیں گے

لیکن شیخ اس پر تیار نہ ہوئے اور ہمیں جمعیۃ الشبان کے ایک ہوٹل فندق البرلمان لے گئے، یہاں معمولی گفتگو اور اطمینان حاصل کر لینے کے بعد منیجر نے ہم کو ہوٹل میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی، ہم بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ تھوڑی دیر میں علی شریف صاحب آ گئے تین سال کی دیرینہ جدائی کے بعد اس ملاقات سے بہت خوشی ہوئی۔ مدینہ منورہ کی ملاقات، قارئین اور ان جلسوں کا ذکر چھڑ گیا، جن میں ہم شریک ہوتے اور تقریریں کرتے تھے، پھر وہ یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ پھر بعد ملاقات ہو گی۔

چہارشنبہ ۱۶-۴-۷۰ھ مطابق ۲۴-۱-۵۱ء

ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم جلال صاحب کے دفتر گئے، اور ان کے سکریٹری سے ملے تھوڑی دیر بعد شیخ جلال تشریف لائے اور بڑی گرم جوشی و تپاک سے ملے اور باتیں شروع ہو گئیں، جلال صاحب نے فرمایا کہ ہم آپ کے بارے میں برابر معلوم کرتے رہے، ہوٹل والوں نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی ان لوگوں کا یہ رویہ مجھے بہت ناگوار گزرا۔

ہندوستانی دارالاقامہ میں ایک جلسہ

یہاں سے ہم اظہر گئے [illegible] تقریر کرنی تھی، ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ ہندو پاک کے تھوڑے سے طلبہ ہوں گے لیکن وہاں پہنچے تو ہال سرخ ترکی ٹوپیوں اور سفید عماموں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ میں ایسے سنجیدہ، وضعدار، پروقار نوجوانوں کے سامنے تھا جنھیں دیکھ کر خود بخود طبیعت میں جوش و نشاط اور تقریر کا داعیہ خود بخود پیدا ہونے لگتا ہے جب یہ معلوم ہوا کہ حاضرین میں ایک بڑی تعداد مصری نوجوانوں کی ہے، تو میری خوشی و مسرت میں مزید اضافہ ہو گیا، اتنی ہی تعداد فلسطین و شام کے طلبہ کی تھی۔

شام کے ——— ایک نوجوان محمد توفیق کنجی جو سکریٹری تھے، اسٹیج پر تشریف لائے، جلسوں کی رسم کے مطابق میرے لئے استقبالیہ کلمات کہے

پھر شیخ لقمان ندوی ازہری جو ہندوستانی دارالاقامہ کے نگراں ہیں، اٹھے اور مجھ سے تقریر کی فرمائش کی، میں نے بغیر تیاری کے بے تکلف جو اس وقت دل میں آیا وہاں عرض کیا۔

تقریر: میری تقریر کا خلاصہ ولب لباب یہ تھا کہ اسلام ایک ابدی پیغام حیات ہے جو قدیم وجدید کی بحث سے ماوراء ہے، قدیم وجدید کا فرق تو ان کے خود ساختہ لفظوں، تہذیبوں اور ادب وزبان میں ہوتا ہے، جو قوم وجماعت بھی اپنے کو اس پیغام سے منسلک کردے گی، اور اپنا رشتہ حیات اس سے جوڑ دے گی، اس کو بقاء دوام حاصل ہوگا وہ زمان ومکان کی قید وحد سے آزاد ہوگی، وہ انقلاب وتبدیلی کا تابع نہ ہوگی، اور مادی قوتوں وطاقتوں، رکاوٹوں اور قامتوں پر غالب ہو جائے گی، یہی صحابہ کرام کی کامیابی وبرتری کا راز تھا، انہوں نے اپنی قوت اور خداداد صلاحیت کا اندازہ لگایا اور اس کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہ روم وفارس جیسی ترقی یافتہ مادی وفوجی طاقت رکھنے والی حکومتوں کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے انہوں نے اس ابدی پیغام سے اپنے کو منسلک کر دیا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے، جس کے ظہور وغلبہ اور سارے عالم میں پھیلنے کا خدائی فیصلہ ہو چکا تھا، صحابہ کرام نے اپنی شخصیت اپنے وجود اور اپنے جان ومال کو پوری طرح سے اس کے لئے وقف کر دیا، اپنے مستقبل اور رشتہ حیات کو اس میں اس طرح فنا کر دیا کہ وہ اسلام کا جزء لاینفک بن گئے، کہ نہ ان کے بغیر اسلام پھول پھل سکتا تھا، نہ وہ اسلام سے الگ وبے نیاز ہو کر زندہ رہ سکتے تھے، جب صحابہ کرام نے اس ہمت وعزیمت کا مظاہرہ کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو صلاح وتقویٰ کی میزان میں تول لیا، تب وہ نصرت وتائید خداوندی کے مستحق ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ظہور وغلبہ اور روئے زمین پر قدم جما دینے کا فیصلہ فرمایا۔

عزیز طلبہ ازہر تم بھی جب اپنے کو پیغام اسلام کے لئے مخلص کر دوگے، اپنے وجود کو اسلام کی شخصیت میں ضم اور تحلیل کر دوگے اپنی زندگی، اور اپنے مستقبل کو اسلام پر ثابت قدمی اور اس کی دعوت وتبلیغ کے ساتھ جوڑ دوگے، اسلام تم سے چپکے گا، اور تم اسلام کو لے کر چلوگے، تو یقیناً تم کامیاب رہوگے، حاوی وغالب ہوگے، زمانہ تمہارے سامنے جھکے گا گھٹنے ٹیکے گا، اور تمہارا تابع ہو جائے گا۔

جب میں اپنی تقریر ختم کر چکا تو استاذ محمد توفیق کیتی نے شکریہ ادا کیا، اور جمعیۃ الشبان المسلمین کے ہال میں تقریر کرنے کی درخواست کی، جہاں میرے مخاطب جامعہ ازہر کے وہ طلبا ہوں گے جو مختلف اسلامی ملکوں سے تعلق رکھتے تھے، میں نے ان کی پیشکش منظور کر لی اور ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ طلبہ سے تعارف کرائیں کچھ طلبہ سے پہلے انہوں نے پوچھا پھر کہا کہ طلبہ خود تعارف کرائیں، ترکی، مصری، فلسطینی، اور شامی طلبہ سے تعارف ہو گیا، تو میں نے ترکی طلبہ سے خصوصی ملاقات کی خواہش ظاہر کی، میں نے کہا، اپنی قیامگاہ پر بھی ان سے ملنے میں مجھے خوشی ہوگی، اور اگر وہ ہم کو اپنی قیامگاہوں پر بلائیں تب بھی مجھے کوئی عذر نہیں اس کے بعد جلسہ ختم ہو گیا۔

جمعرات ۱۷/ ربیع الثانی ۷۰ھ مطابق ۲۵-۱-۱۹۵۱ء

شیخ جلال رشید، شیخ علی اکبر، اور شیخ عثمان میری قیامگاہ پر آئے، کچھ ہی دیر بعد استاذ حسن صقر ہم کو اس جگہ لیجانے کے لئے آ گئے، جس کو جلال صاحب نے ہمارے قیام کے لئے منتخب کیا تھا، میں ان حضرات کے ساتھ گیا، جگہ مجھے پسند آئی اور یہ طے ہو گیا کہ آج یا کل صبح وہاں منتقل ہو جائیں۔

احمد امین سے ملاقات

راستہ میں ہم نے احمد امین صاحب کو فون کیا، مکہ مکرمہ سے ان کو اپنے مصر کے ارادۂ سفر کی اطلاع کر چکا تھا، ہم نے فون پر پوچھا کہ آپ سے کب اور کہاں ملاقات ہو سکتی ہے، انھوں نے بتایا کہ بارہ بجے تک جیزہ میں الادارۃ الثقافیہ کے دفتر میں ملوں گا، ہم لوگ راستہ ہی سے ان کے دفتر کی طرف مڑ گئے۔ میں نے انھیں اب تک نہیں دیکھا تھا، لیکن ان کی کتابوں کا مطالعہ خوب کیا تھا، اور ان کے علمی طرز تحریر، واقعات کی تحلیل وتجزیہ، تاریخ پر اچھی نظر اور متوازن فکر سے متاثر اور ان کا قائل تھا۔ اسی وجہ سے میں نے ان سے اپنی کتاب (ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین) پر مقدمہ لکھنے کی پیشکش کی تھی، مجھے یہ خیال تھا کہ مصر کے صاحب قلم مصنفین اور ادیبوں میں وہ اس کتاب کا مقدمہ لکھنے کے لئے زیادہ موزوں، اہل اور مناسب ہیں، کتاب کے موضوع، اور ان کے فکر وذوق اور نظریہ میں بھی ہم آہنگی ہے، میرا خیال تھا کہ وہ مقدمہ نشاط وشوق، رغبت اور طبیعت کے تقاضہ کے ساتھ لکھیں گے لیکن شاید ایسا نہیں ہو سکا۔ میرے اکثر دوستوں نے اس مقدمہ کو پسند نہیں کیا، ان کا خیال ہے کہ مقدمہ کتاب کی صحیح تصویر کشی اور حقیقت کشائی سے خالی وعاری ہے، بلکہ اس مقدمے نے کتاب کی بڑی حق تلفی کی ہے اور اس کے مقام کو بہت گھٹا دیا ہے۔ مگر اس میں احمد امین صاحب کی کوئی خطا نہیں خطا اس کی ہے، جو بڑی امیدیں قائم کر لیتا ہے، ادیب وصحافی کی طبیعت ہمہ وقت یکساں نہیں ہوتی اور نہ ہر موضوع پر چلتی ہے، پھر شکایت ہی کیا۔؟

کتاب کے ساتھ مقدمہ کے اس حسن سلوک کے بعد بھی، احمد امین کے بارے میں میرے جو خیالات تھے وہی رہے۔

ہمارے قدم ان کے دفتر کی طرف بڑھ رہے تھے اور دل میں یہ خیالات گردش کر رہے تھے، کہ ابھی تھوڑی دیر ہی میں اس شخص سے ملاقات اور گفتگو ہوگی جس کی تصنیفات، مضامین، علمی مباحث کے ذریعہ میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں اس کے فکر وادب اور علمی شخصیت کی تصویر دیکھ چکا ہوں، آیا وہ جسمانی طور پر بھی بھاری بھرکم ہوں گے، یا اس کے برعکس، ایسا اکثر ہوتا ہے کہ شخص حقیقت سے زیادہ حسین ہوتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصنف وادیب اپنے مضامین وتحریروں میں، اپنی مجلسی گفتگو سے کہیں زیادہ پرکشش وجاذب نظر آتا ہے ان دونوں میں سے جو بھی صورت پیش آئے گی اس سے مجھے حیرت نہ ہوگی اس لئے کہ دونوں طرح کے لوگوں سے میرا سابقہ پڑ چکا ہے۔ اپنے انہیں خیالات وتصورات کے ساتھ دار الثقافیہ کے دفتر میں داخل ہوا اور احمد امین صاحب کو پوچھا، دفتر والوں نے باغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا! کہ وہ ہیں، نظر پھیری تو دیکھتے ہیں کہ ایک معمر دراز قامت دبلا پتلا شخص ہماری طرف بڑھ رہا ہے وہ ہمارا استقبال کرتا ہے، خوش آمدید کہتا ہے، جسم بیماری سے متاثر، کثرت تالیف ومطالعہ کی محنت سے نڈھال اور قوت بینائی کمزور ہو چکی ہے، ڈاکٹر کے مشورے سے دانت بھی نکلوا چکے ہیں جس سے بات کرنے میں تکلف ہوتا ہے، چہرہ مہرہ اور ظاہری شکل وصورت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دبلا پن بیماری وپیرانہ سالی کے سبب سے ہے، جوانی میں تن ومند بھاری بھرکم، حسین وخوبرو تھے، باتوں باتوں میں میری کتاب (ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین) کا ذکر چھڑ گیا، میں نے کہا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میں نے آپ کو مقدمہ لکھنے کی زحمت بے جا دی، کہنے لگے نہیں نہیں، میں نے تو کتاب سے بڑا فائدہ اٹھایا، بہت سے مراجع کا علم ہوا۔ میں نے بغور اس کو پڑھا۔

شریعت اسلامی اور تاریخ اسلام کے بارے میں احمد امین کے بعض منفرد خیالات

پھر وہ اپنی نئی تصنیف "اسلام کا ماضی وحال" کا ذکر کرنے لگے جو ابھی شائع نہیں ہوئی) کہنے لگے اس کتاب میں میں نے بعض ایسے خیالات اور نظریے پیش کئے ہیں، جو بہت سے لوگوں کو گراں گزریں گے مثلاً یہ کہ اسلام عہد رسالت کے علاوہ کبھی اور پورے طور پر نہیں نافذ ہوا — باقی صفحہ آخر پر

ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ بہت سے دینی مسائل اور مشکلات پیش آتے رہتے ہیں جو اجتہاد اور اظہار رائے کے متقاضی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اجتہاد کا دروازہ کھلا رہنا چاہیے مثلاً موجودہ دور میں زندگی بہت مشغول

صراط مستقیم

حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی رح

بزرگوں کی صحبت سے خوش نظری پیدا ہوتی ہے

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ممتاز مخلص مرید مجھ سے ارشاد فرمانے لگے کہ جب سے حضرت صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوں اس وقت سے جس کے پاس جاتا ہوں میری نظر میں کوئی بجرتا ہی نہیں، میں نے عرض کیا کہ بہت۔ بڑی کوتاہی اور قباحت اور بہت بڑا سقم آپ میں پیدا ہو گیا۔ اس کو بہت جلد دور فرمایئے۔ بزرگوں کی صحبت سے تو نظر ایسی وسیع ہو جاتی ہے کہ برے لوگوں کے اندر بھی بھلائیاں نظر آنے لگتی ہیں اور ناقص اور کوتاہ لوگوں میں سے بھی کوئی نہ کوئی خوبی اخذ کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ بزرگوں کی صحبت کا تو یہی اثر ہوتا ہے کہ

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورق دفتریست معرفت کردگار

ہوشیار آدمی کی نظر میں درختوں کے ہرے پتوں میں ہر ایک پتہ خدا کی معرفت کا — دفتر ہے اللہ کے مقبولوں کو جھاڑوں جڑی بوٹیوں اور جانوروں سے بھی معرفت حاصل ہوئی۔ اور آپ کی نظر ابھی کوتاہ ہو گئی ہے نظر میں کوئی سماتا ہی نہیں "اصلاح کی سخت ضرورت ہے آپ اپنی اس نظر کو بدل دیجئے اور یہ یاد رکھئے کہ اچھے اور برے کے معلوم ہونے کا تو وہ موقع ہے جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور وحصل ما فی الصدور (عادیات)

ترجمہ۔ کیا انسان نہیں جانتا کہ جب وہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور وہ چیز حاصل کی جائیگی جو سینوں میں ہے۔ یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم (شعراء رکوع ۵) وہ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جب کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ دے گی ہاں مگر جو شخص خدا کے پاس قلب سلیم لائے گا وہ کامیاب ہوگا۔

ایک شخص نہایت ہی بری حالت میں دکھائی دیتا ہے اور مرنے سے کچھ پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا حال بدل دیتے ہیں اور وہ اچھوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک شخص اچھا دکھائی دیتا ہے مگر آخرت میں العیاذ باللہ وہ اچھائی اس کو کام نہیں دیتی انما الاعمال بالخواتیم۔ ترجمہ اعمال کا دار ومدار خاتمہ پر ہے اس لئے برے کا اطلاق کسی پر نہ کرنا چاہیے اور بری نظر سے نہ دیکھنا چاہیے ......

اور اس کے عیب کو دماغ میں بھی جگہ نہ دینی چاہیے۔ یہ بہتری اور ترقی کی چیز ہے۔ یہ بات مشکل نہیں اس پر عمل آسان ہے حسن ظن ترقی کا زینہ ہے جب سے انسان اس کا عادی ہو جاتا ہے اسی وقت سے اس کی خوبیاں اور برکتیں محسوس ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ تمام عبادتوں کی یہ جان ہے اس لئے کہ کپڑا اگر دھولیا ہے تو ہر رنگ اس پر اچھی طرح چڑھ سکتا ہے۔ برے خیالات سے اپنے دماغ کو محفوظ کر لیں کپڑے کا دھونا ہے اب اس پر ہر عبادت کا رنگ اور اثر اچھی طرح قائم ہونے کا امکان ہے۔ یہ معمولی باتیں ہر مسلمان کی جانی اور سمجھی ہوئی ہیں اب ان کے ذکر اور چرچے کم ہو جانے سے ظلمات نے بڑھ کر عبادتوں کے اثرات کو کم کر دیا ہے بہت مقدس اور بلند لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ فلاں شخص فلاں حالت میں گرفتار ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ ان کو سب کچھ معلوم ہے مگر وہی قوت دافعہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ضعیف ہے اس لئے قبائح کے دور کرنے سے مجبور ہو گئے ہیں اگر غور وفکر کریں تو اس کا دفع کرنا بہت آسان ہے گو یہ بات بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہے مگر خوبی اس کی بہت بڑی ہے۔

دنیا میں آخرت کا مشاہدہ

اب اس کے بعد شیخ سالک راہ کو جو کچھ تعلیم فرمائیں گے اس پر عمل کرنا آسان ہوگا اور اس کے برکات انشاء اللہ اچھی طرح سے ظاہر ہوں گے اور قرآن پاک میں بھی انہماک پیدا ہو کر یقین — بڑھتا جائے گا۔ انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایمانا وعلی ربہم یتوکلون۔ (انفال۔ رکوع ۱) ترجمہ۔ بیشک ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب خدا کا ذکر ان کے سامنے ہوتا ہے تو دل دہل جاتے ہیں اور جب ان پر یہ آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، ایمان میں ہر روز ترقی ہے۔ آج کے ایمان سے کل کا ایمان بلند ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ دنیا اور دنیا کے اسباب وتدابیر حقیر اور کمزور بے ثبات معلوم ہونے لگتے ہیں اور اخروی مراتب اور منازل کا مشاہدہ عملی شروع ہو جاتا ہے اور بھروسہ اللہ پر کامل ہو جاتا ہے دنیا سے اطمینان اور اشتیاق میں اٹھنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔

بزرگان دین متقدمین نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ سینہ کی اسی صفائی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے پھر اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ خواہشات نفسی کو پورا کرنے میں ہم جس طرح حریص رہتے ہیں اسی طرح ان فرائض کے ادا کرنے میں حریص ہو جاتے ہیں جن کو تکلیفات شرعیہ کہا جاتا ہے۔ اب اس کے بعد جو بھی طریقہ اللہ تبارک وتعالیٰ نصیب فرمائیں شیخ کامل ومکمل کی رہبری سے وہ مفید اور کارآمد ثابت ہوتا ہے۔

موجود اور معدوم

یہ بات بھی خوب یاد رکھنا چاہیے کہ صحبت کے اثرات ضرور ہوتے ہیں الصحبۃ تاثر ولو کان بالساعۃ کسی بھی قسم کے بیج یا انڈے کو یا گیہوں کو چوٹے کے نیچے تھوڑی دیر رکھ دو پھر دنیا کے بڑے سے بڑے فلسفی کو بتا دو وہ ان گیہوں اور انڈوں میں جو چولہے کے پیچھے رہ گئے، اور ان میں جو چولہے کے پیچھے نہیں رہ گئے بظاہر کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتا لیکن جو چولہے کے نیچے تھوڑی دیر رکھے ہوئے گیہوں اُگ نہیں سکتے اور انڈوں میں سے بچے نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ کوئی جوہر لطیف سے چنچل نہیں آیا اور وہ آگ کی معمولی سی صحبت سے زائل ہو جاتا ہے اسی کو روح کہتے ہیں۔ اللہ کے اس فرمان سے تصدیق ہو کر یہ معلوم ہو گیا کہ ایک شے جو بظاہر موجود ہے حقیقت میں معدوم ہے۔ ایک ہی وقت میں دونوں حالتیں ثابت ہیں موجود اور معدوم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لہم قلوب لا یفقہون بہا ولہم اعین لا یبصرون بہا ولہم آذان لا یسمعون بہا اولئک کالانعام بل ہم اضل اولئک ہم الغفلون (اعراف رکوع ۲۲) ترجمہ۔ ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور کان بھی ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں، وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ وہ حقیقت وبیخ غافل ہیں۔ اسی طرح ان کا بھی یہ حال ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ اچھی صحبت کا اچھا اثر اور بری صحبت کا برا اثر پڑنا لازمی امر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں ہر دن میں ستر بار استغفار پڑھتا ہوں۔ جب تم لوگوں کی کثافت مجھ سے دور ہوتی ہے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر پڑ سکتا تھا تو دوسروں پر اثر پڑنا لازمی ہوا۔

رنڈے کے کارخانہ میں بدبو کا اثر اور عطر کے کارخانہ میں خوشبو کا اثر محسوس ہونا لازمی امر ہے۔ ہمارے احباب اگر ہم کو ملاحظہ کریں گے تو اس بات سے بہت فائدے حاصل ہونے کی امید ہے۔

بے ساختگی بے خودی میں بہت کچھ لکھ دیا جو ارادہ نہ تھا مگر تقاضائے طبیعت یہ ہو رہا ہے کہ کچھ اور بھی مختصر طریقہ پر ادا کروں، وہ یہ کہ ہماری بہت بڑی بڑی ہستیاں جو قرآن پاک کی دن رات تلاوت فرماتی ہیں اور وہ حضرات احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رات دن پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں ان کی زبان مبارک سے ایسے کلمات سنے جن کی صاف اور صریح مخالفت قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے موجود ہے، اس سے یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں ہم اور ہمارے احباب بھی خدانخواستہ غافل ہو کر اپنے اعمال برباد نہ کر لیں۔ (باقی آئندہ)

اسلاف کرام کا مالی ایثار

از مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈا نگری

نہیں ہوتا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اللہ کے بندے خلق خدا کے ساتھ جو کچھ خیر و نیکی کرتے ہیں خدا وند کریم اس کی پوری پوری قدر دانی کرتے ہیں اور بھرپور اجر عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد باری ہو۔

وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ واللہ علیم بالمتقین (آل عمران)

یعنی لوگ جو کچھ بھی خیرات کرتے ہیں اس کی ناقدری ہرگز نہ کی جائے گی اللہ تعالیٰ اصحاب تقویٰ سے خوب واقف ہیں در اصل ان آیتوں پر عمل کرنے والے ہمارے اسلاف ہی تھے جنھوں نے اسلام کے درخت کو خون اور مال سے سینچا تھا۔ ان کا معاملہ صدقات واجبہ تک ہی محدود نہ تھا وہ تو ایسے صدقات نافلہ کرتے تھے کہ جن کی مثالوں سے شاید آج کی دنیا بالکل خالی ہو گئی ہے اس سلسلہ میں چند واقعات بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱:۔ ایک بار عبد اللہ بن عمرؓ بیمار ہوئے تو انہی البیہ سے مچھلیاں کھانے کی خواہش ظاہر کی اتفاق سے بازار میں ایک ہی مچھلی مل سکی ان کی بیوی نے بڑے شوق سے پکا کر حاضر کیا خوان سامنے آیا ہی تھا کہ ایک مسکین کی آواز آئی اس پر آپ نے بیوی کو حکم دیا کہ اسے سائل کو دیدو۔ بیوی نے کہا آپ خود اسے کھالیں کیوں کہ آپ ابھی بیماری سے اٹھے ہیں اور فقیر کے متعلق کہا نعطیہ دراھما فھو انفع لہ من ھذا۔

ہم اس کو درہم دیدیں گے جو اس کے حق میں زیادہ بہتر ہوگا عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے یہ چیز کا خرچ کرنا اللہ کو پسند ہے کیوں کہ آج عبد اللہ کو مچھلی محبوب ہے اس لئے مچھلی ہی اللہ کی راہ میں دیدو یہ کہہ کر اپنی محبوب غذا مچھلی اس کے حوالہ کردی۔ (صفۃ الصفوۃ جلد اول ص۲۴۱)

۲:۔ علامہ ابن الجوزیؒ راوی ہیں کہ حضرت ربیعؒ پر فالج کا اثر ہو گیا۔ جس سے ان کو بڑی تکلیف ہوتی رہی ایک دن ان کو مرغ کے گوشت کی خواہش ہوئی تو بیوی سے کہا چالیس دن سے مرغ کے گوشت کی خواہش تھی مگر آج کہتا ہوں ہو سکے تو بنا ڈالو۔ بی بی نے بڑے شوق سے مرغ خرید کر اور بھون کر گھی کی طرح کی روٹیاں پراٹھے بنا کر پورا خوان جیسے حاضر کیا تو معاً دروازے پر ایک سائل کی آواز آئی۔ تصدقوا بارک اللہ فیکم۔ اللہ کی راہ میں صدقہ کرو خدا تم کو برکت دے گا۔

یہ سن کر آپ کھانے سے رک گئے اور پورا خوان سائل کو دینے کا حکم دیا۔ بیوی نے کہا سبحان اللہ میں نے اتنی محنت سے آپ کے لئے بنایا تھا آپ مریض ہیں کھا لیجئے میں سائل کو اس سے بہتر چیز دیدوں گی۔ پوچھا وہ کیا کہا اس پورے خوان کی نقدی۔ قیمت فرمایا فقد احسنت یعنی تم نے خوب سوچا اچھا جاؤ قیمت لے آؤ وہ قیمت لے کر آئیں تو فرمایا اچھا اس نقدی کو بھی اس خوان پر رکھ کر سب دے دو۔ واد ضعیہ الی السائل جمیعاً یعنی یہ سب کا سب سائل کے حوالہ کردو (صفۃ الصفوۃ جلد سوم ص۳۵)

۳:۔ علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار ربیعؒ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ آج گوشت پڑا ہوا ملیدہ بناؤ جب بن کر تیار ہوا تو ایک غریب مریض کے پاس بھیجا جوان کا پڑوسی تھا اس کا تمام منہ اور اس کی زبان تک سڑی ہوئی تھی۔ گھر والی نے کہا اس کا منہ خراب ہے لعاب جاری ہے ایسی لذیذ چیز اس کے پاس آپ نے ناحق بھیجدی وہ بھلا کیا اس کا مزہ جانے گا تو کیا عجیب جواب دیا فرمایا لکن اللہ عز وجل یدری یعنی میرا حق تعالیٰ تو جانتا ہے کہ میں نے کس محبت و خلوص سے یہ لذیذ ترین چیز اسے دی ہے وہ مجھے اس کے بموجب اجر دیگا۔ (صفۃ الصفوۃ جلد سوم ص۳۵)

ہمارے اسلاف میں لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون پر جس طرح عمل تھا آج وہ عمل کس میں باقی رہ گیا ہے۔

۴:۔ داؤد طائیؒ کی باندی نے کہا آج آپ کے لئے کوئی مرغن سالن بناؤں آپ نے اس کو اجازت دیدی جب عمدہ اور چرب سالن گوشت بھون کر سامنے لایا گیا تو محلہ کے چند یتیم خیال میں آگئے باندی سے فرمایا یہ سالن انھیں کو دے آؤ۔ کہنے لگی آقائے من اس میں سے تھوڑا سا سالن آپ بھی لیں آپ روٹی پانی سے کھائیں گے، فرمایا انی اذا اکلتہ کان فی الحش و اذا اکلہ ھو لاء الایتام کان عند اللہ مذخوراً۔ میرا کھایا ہوا تو پاخانہ ہی ہوگا اور جو یتیموں نے کھایا تو اس کا ثواب میرے لئے رب کے پاس ذخیرہ ہوگا۔

(صفۃ الصفوۃ جلد سوم ص۵۵)

ایک اور واقعہ بھی عرض کرنے کے قابل ہے علامہ ابن الجوزیؒ راوی ہیں اکبر حمزہ داؤد طائیؒ کی ماں نے بیٹے کے مرغوبات کے مطابق حلوہ، سالن، پراٹھے وغیرہ بہت زیادہ مقدار میں بنایا جب تیاری کی خبر انکی ماں نے دی۔ تو سارا کھانا منگوا کر داؤد طائیؒ اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھ گئے اور ادھر آنے والے غریب و محتاج کو بلا بلا کر کھلانے لگے ماں نے آخر مجبور ہو کر کہا۔ بیٹا اس میں سے کچھ تم بھی کھالو۔ فرمایا والدتی فمن اکلہ غیری لے میری ماں میرے سوا آخر یہ کس نے کھایا! (صفۃ الصفوۃ جلد سوم ص۵۵)

ہمارے بزرگان دین کا ایسا ذہن تھا وہ غریبوں کو کھلا کر یہ سمجھتے تھے کہ یہ تو خود ہم نے کھایا ہو کہ اس کا اجر و ثواب ہمارے حصہ میں آیا لیکن مادی ترقی کے اس موجودہ دور میں اس قسم کے احساسات و خیالات سے ہمارے قلوب واذہان یکسر خالی ہیں۔

علی بن حسین بن علی نے سفر یا عمرہ حج کا ارادہ کیا تو سکینہ بنت حسین نے زاد راہ کے لئے مختلف قسم کے کھانے بنا کر ان کے پاس بھیجدیا جس پر ہزار درہم سکینہ نے خرچ کیا تھا جب علی بن حسین مقام حرہ میں پہونچے راوی لکھتے ہیں امر بہا فقسمت علی المساکین یعنی نوکروں کو حکم دیا سارا خوان مسکینوں پر تقسیم کرا دیا۔ (صفۃ الصفوۃ جلد دوم ص۵۲)

آج کل لوگ اپنے زاد راہ کو کسقدر حفاظت و احتیاط سے رکھتے ہیں اور خود ہی استعمال کرتے ہیں جب کہ ہر اسٹیشن پر زاد راہ کے لئے تمام چیزیں مل سکتی ہیں! تب بھی آج کے لوگ مساکین کو کھلانے کا کوئی احساس نہیں رکھتے۔

۷:۔ ابراہیم بن ادہم بلخی بڑے امیر کبیر تھے یک بیک صوفی ہو گئے ایک دن طرابلس کے سفر میں ان کے ساتھ صرف دو روٹیاں تھیں ایک سائل نے سوال کیا تو ساتھی سے کہا کہ دونوں روٹیاں اس کو دیدو وہ حیرت سے منہ دیکھتا رہ گیا کہ خود کیا کھائیں گے فرمایا۔ دیدو یہی تو ایثار ہے اور اس کا ثواب آخرت کے لئے اٹھا رکھو۔

(صفۃ الصفوۃ جلد چہارم ص۱۴۷)

یہ تھے مردان خدا جن کو آخرت کا دھیان تھا اور مزدوروں، مسکینوں و بھوکوں کی شکم پروری کا خیال ان کے دلوں میں ہمہ وقت ایسا تو احتیاطاً قائم تھا یہی حضرات یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ کے زندہ نمونہ تھے۔

—

(باقی آئندہ)

نوبل پرائز اور ٹیگور و اقبال

(حافظ سید حبیب الرحمٰن حسنی)

گیتا انجلی میں ٹیگور کو ۱۹۱۲ء میں نوبل پرائز ملا مگر اقبال باوجود اتنے بڑے فلسفی ہونے کے نوبل پرائز سے محروم رہے اور اس کی وجہ شاید یہی ہے ان کا تعلق اسلام اور اس کی ابدیت پر ان کا یقین ہے۔ ٹیگور میں اور اقبال میں بڑا فرق ہے۔ یہ فلسفی ہونے کے باوجود زبردست مذہبی ہیں اور مذہب کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے مسلمانوں کا درد ان کے پورے کلام سے عیاں ہے۔ شکوہ اور جواب شکوہ اس کی بین مثال ہے اور ایسے کو کہیں یہ انعام مل سکتا ہے۔

شاعری میں ٹیگور اور اقبال کا موازنہ کرتے ہوئے North Bengal Urdu Conference منعقدہ دیناج پور ۱۹۳۲ء میں میزان الرحمٰن صاحب ڈپٹی کلکٹر نے فرمایا کہ موازنہ کرنا مشکل ہے بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ٹیگور Flute (بانسری) ہے اور اقبال Marching Band. یعنی وہ بینڈ جو آگے بڑھائے جوش دلائے ابھارے اور ہر عمل پر مستعد کرے، اور اقبال نے خود ہی کہہ دیا ہے کہ ؎

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم

جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

شکوہ میں ایک جگہ درد سے کہا ہے ؎

طعن اغیار ہے رسوائی ہے ناداری ہے

کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

دوسری جگہ کہا ہے ؎

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

ایک جگہ تصوف کی ناپختگی مسلمانوں کو کہتے ہیں ؎

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے

اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

ایک موقعہ پر یہ کہتے ہیں ؎

زاہد کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد

دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

یہ مذہب کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے۔ فلسفہ بیان کرنے میں بھی مثال حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل

عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

—

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

مسلمانوں کو باز کہا ہے مگر کہا ہے کہ جو گدوں میں پلا ہو وہ اسکو کیا جانے۔ ان کا پورا کلام فلسفہ سے بھرا ہوا ہے نوبت یقین سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ ان الملوک

سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر

تو سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

خودی اور بے خودی کے موضوع پر فارسی اور اردو دونوں میں ان کا کلام سب سے زیادہ ہے اور اس پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ان کے کلام میں فلسفہ کے ساتھ جمال فطرت پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ جگنو پر جو کہا ہے اس سے Words Worth کا کلام عاری ہے اس سے بڑھ کر کسی نے نہیں کہا۔ صبح کی تعریف کی ہے کہ ؎

رنگیں کیا سحر کو بانکی دلہن کی صورت

پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی

وطن کی محبت میں خوب شعر کہے ہیں مثلاً ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎ مخمس ہو جس کے تین مصرعہ ہم نقل کرتے ہیں :۔

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا

نانک نے جس زمیں میں وحدت کا گیت گایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اس میں بھی مذہب کا دامن نہیں چھوڑا اور توحید پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ یہ مخمس بہت زوردار ہے جہاں یہ کہا۔ وہاں یہ شعر بھی کہے ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

مسلمانوں کے مذہب میں تمام جگہ کے مسلمان دینی بھائی ہیں اسی لئے جب ترکوں پر زیادتی ہوئی تو ہندوستان کا مسلمان بگڑ اٹھا اور خلافت کی تحریک چلی اسی وقت میں انگریس میں تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت کے ساتھ ساتھ تھی اور مسلمان ہندو کے دوش بدوش چل رہا تھا وطن کی محبت جاگزیں تھی۔ خلافت کی محبت بھی تھی ہر مسلمان فدائی بنا ہوا تھا۔ انگریز لرز اٹھا تھا۔ کوئی وائسرائے آنے کے لئے تیار نہ تھا Lord Reading آئے اور انہوں نے Devide and Rule کی پالیسی اختیار کی۔ پہلے علی برادران کو گرفتار کیا، پھر گاندھی جی کو، اور ہندو مسلم فساد کرائے، جو قوت قائم تھی وہ ٹوٹ گئی۔ شیرازہ بکھر گیا مگر بالآخر آزادی کا سورج طلوع ہوا۔ اور کامیابی نصیب ہوئی یہ یقین محکم عمل پیہم ہی تھا۔

اقبال نے ایک جگہ یہ بھی کہا ہے کہ مذہب آپس میں بیر رکھنا نہیں سکھاتا۔ مل جل کر دونوں کو رہنا چاہئے۔ بہر حال وہ مذہب کو کسی موقع پر نہیں چھوڑتے یہ ضرور ہے کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں نے مذہب کو چھوڑ دیا۔ ورنہ یہ فساد نہ ہوتے۔ یہ دشمنی نہ ہوتی۔ مذہب سے اتنے گہرے تعلق ہونے کے بعد ان کو نوبل پرائز کیسے مل سکتا تھا۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ شعر حصول آزادی میں کیسا کام آیا۔ گاندھی جی اور مسلم رہنماؤں نے عدم تشدد سے کام کے کر اور پورے یقین پر تحریک ترک موالات چلائی اور ملک کو آزاد کرایا۔ پھر ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

جو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ

پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

یعنی عمل کام آتا ہے یہ بھی وہی بات تھی جس نے انگریزوں سے بلا تیر و تفنگ مقابلہ کرایا۔ پھر فرماتے ہیں ؎

تری خاک میں ہو اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر

کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

یہ مولانا محمد علی جوہر مرحوم تھے کہ بلا خوف و خطر تقریر کرتے تھے ایک دن دوران تقریر میں فرمایا بھائیوں نہیں تو تلوارے ماریں گے، جن کی صعوبتیں اٹھائیں مگر حق و صداقت کو نہ چھوڑا اور دلیر رہے اور اقبال کا شعر ہر جگہ صحیح ثابت ہوا مگر اس میں بھی مثال حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہے دی ہے۔ غور کرنے والا کہے گا کہ یہ رنگ نوبل پرائز کے مستحق تھے۔ مگر یہی دین سے وابستگی اس میں مانع ہوئی ایک جگہ مسلمانوں کی بے راہ روی کو بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اچھی باتیں چھوڑ دیں اور عیسائیوں نے اختیار کر لیں۔ فرماتے ہیں ؎ لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل

خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

اگر غور سے دیکھا جائے عصبیت کی عینک اتار کے تو اشعار میں فلسفہ بھی بہت ہے اور عمل پر زور بھی اسے دیا ہے۔ فرماتے ہیں (باقی صفحہ ۱۲ پر دیکھئے)

حضرت ثاقب کانپوری

"کہ اب آواز تک آتی نہیں شورِ سلاسل کی"

حضرت ثاقب کانپوری کا شمار اساتذۂ سخن میں ہے۔ یہ غزل انہوں نے خاص طور پر تعمیر حیات کے لئے ارسال فرمائی ہے، اور ان کے شکریہ کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ (ادارہ)

تجھے آسودگی بخشی گئی ہے عشرتِ دل کی
مبارک ہوں مجھے رسوائیاں طوق و سلاسل کی

خدا جانے کہ کن جذبات کا دل میں تلاطم ہے
اگرچہ آبرو رکھ لی ہے تو نے دستِ سائل کی

ابھی تو دور ہے تجھ سے فروغ جلوۂ لیلیٰ
ارے دیوانے کیا سمجھا ہے یہ جنبش ہے محمل کی

وہی تنہا امین رازہائے عشق والفت ہے
جو آنسو فرطِ غم سے آ گیا آنکھوں میں سنبھل کی

وہاں لائی ہے مجھ کو ناامیدی بحرِ ہستی میں
جہاں ہے فکر موجوں کی نہ پروا من ساحل کی

خدا جانے کہ کیا گزری ہے غم میں اہلِ زنداں پر
کہ میں نے شرم رکھ لی دشت میں طوق و سلاسل کی

تو اے ناداں مجھے وحشت کا کیوں الزام دیتا ہے
کہ اب آواز تک آتی نہیں شورِ سلاسل کی

وہیں پر جم گئیں نظریں تماشہ گاہ مقتل میں
بہت رنگین و دلکش تھیں ادائیں میرے قاتل کی

سفینہ غرق ہوتا تھا وہ پہلے ہو چکا ثاقب
ہوائیں کس لئے آتی ہیں اب دامانِ ساحل کی

سیر بین

قسط اوّل

باقیات صالحات مشاہدات کے آئینہ میں

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ریڈر شعبۂ عربی، دکٹیشور یونیورسٹی۔ آندھرا

صوبہ تامل ناڈو میں ضلع شمالی ارکاٹ اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز ہے یہاں پر بڑے بڑے اسلامی ادارے اور اسلامیہ کالج موجود ہیں۔ ویلور۔ وانم باڑی میل وشارم آمبور اور برنام بٹ میں بہت سے اسلامی مدارس ہیں اور ان مقامات کا ماحول بھی اسلامی ہے۔ یہ علاقے اپنی عظمت کے لحاظ سے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں وانم باڑی میں اسلامیہ کالج ہے۔ میل وشارم میں سی عبدالحکیم کالج ہے آمبور میں ایک نیا اسلامیہ کالج کھلا ہے۔ ایک ایسا ہائی اسکول ہے جس میں عربی ہر طالب علم کے لئے لازمی ہے۔ وانم باڑی میں معدن العلوم، میل وشارم میں منبع الحسنات، آمبور میں ایک عربی مدرسہ قائم ہے ویلور میں تین مدرسے ہیں، مدرسۂ لطیفیہ، مدرسہ رشیدیہ اور مدرسۂ الباقیات الصالحات اسی ضلع شمالی ارکاٹ میں ایک مقام عمر آباد ہے جہاں دارالعلوم عمر آباد قائم ہے ان علاقوں میں اردو بولنے والوں کی تعداد بھی کافی ہے۔

ویلور تامل ناڈو میں اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر ایک اہمیت کے مقام کا حامل ہے۔ جہاں کرسچن میڈیکل کالج ہاسپٹل قائم ہے جو دنیا کے اہم شفاخانوں میں مشہور ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ جنوبی ہند میں اسلامی تعلیم و ثقافت کا یہ نہایت اہم مرکز ہے جہاں سے علوم اسلامیہ کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور پورے جنوب کو فکر و نظر کی دولت عطا کرتی ہیں۔ حیدرآباد کو اگر مستثنیٰ کرکے دیکھا جائے تو اتنا بڑا اسلامی تعلیم کا مرکز پورے جنوب میں کوئی نہیں۔

ویلور ترپتی یونیورسٹی سے صرف ۔۔ میل ہے کئی بار دل میں خیال آیا کہ وہاں جا کر اس اسلامی تمدن کے مرکز کو دیکھوں مگر توفیق نہ ملی۔

ادھر میں بیمار پڑا اور بارغم حیات لے کر ویلور مرکن اسپتال گیا خوش قسمتی سے میں یہاں کے سب سے بڑے عربی مدرسہ باقیات صالحات میں ٹھہرا یہاں قیام کی وجہ یہ ہوئی کہ مولانا صبغۃ اللہ بختیاری مدظلہ اس مدرسۂ عظیم کے مہتمم یا پرنسپل ہیں۔ استاذ الاساتذہ گرامی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے تعلق سے ان سے پہلے سے شناسائی تھی اس رشتے سے یہاں مجھے قیام کا موقع ملا یہ ۱۹۷۔ء کا واقعہ ہے، اور مدرسہ کے حالات قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ عربی علوم و فنون کا مدرسہ جسے دارالعلوم کہنا چاہئے اب سے سو برس قبل مولانا عبدالوہابؒ نے قائم کیا تھا سو برس سے اس کا فیض کرم عام ہے اور بارش نور سے اہل ایمان کے قلوب کو روشنی و طراوت کی دولت مل رہی ہے۔ اس کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ:

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

یہاں کے فارغ شدہ علما پورے جنوب میں ستاروں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ مدراس کے بعید علاقوں اور کیرالا میں مالابار کے مسلمانوں پر اس مدرسہ کے غیر معمولی احسانات ہیں۔

اس مدرسہ کی چند عجیب و غریب باتیں مشاہدہ میں آئیں ان میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ شمالی ہند کے مسلمانوں کو ان کی تقلید لازمی ہے۔

سب سے بڑی خصوصیت اس مدرسہ کی یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی چندہ عام وصول نہیں کئے جاتے اور نہ اس کے سفراء ہیں اور نہ چندہ کی اس کو ضرورت پیش آتی ہے اس کے بانی مولانا عبدالوہابؒ نے مدرسہ بنا کر اس کیلئے جائیداد کا انتظام کر دیا ہے جس سے مدرسہ چل رہا ہے۔

مولانا عبدالوہاب بانی باقیات صالحات نے مدرسہ کے لئے عمارتیں بنا کر یا حاصل کرکے ایک کمیٹی اہل ثروت کی بنا دی۔ جب کمیٹی کا کوئی ممبر انتقال کرتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا دولت مند ممبر منتخب کیا جاتا ہے علماء باہم مخاصمت کرتے ہیں مگر چونکہ نظم کمیٹی کے اختیار میں ہے اس لئے باہم علماء میں نزاعات گروہ بندی کی شکل اختیار نہیں کرتیں۔ اقتصادی استقلال و مضبوطی کے باعث اساتذہ میں یہ اندیشہ و اضطراب پیدا نہیں ہوتا کہ اب مدرسہ کیسے چلے گا؟

مدرسہ کی دوسری خصوصیت اس کی وسیع المشربی ہے اہل حدیث اور شافعی مسلک کے لوگوں کیلئے بھی اس کے دروازہ کھلے ہیں۔ مالابار کی وجہ سے شوافع یہاں کثرت سے نظر آتے ہیں۔

اس درس گاہ کی ایک خصوصیت اور قابل ذکر ہے کہ یہاں اردو اور فارسی لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ فارسی تو ابتدائی درجات میں، مگر اردو تمام طلبہ کے لئے خواہ وہ کسی کلاس میں ہوں لازمی ہے جو اردو نہ جانتے ہوں۔ یہاں جو صورت حال ہے اس کے پیش نظر ایسا کرنا ضروری تھا۔ مدراس میں مسلمانوں کے دو طبقے ہیں ایک اردو داں اور ایک تامل داں مؤخرالذکر طلبہ شروع سے مطلق جس نہیں رکھتے ہیں مگر عربی کی اونچی کتابیں بذریعہ تامل پڑھ کر آخری سند لینے اس درس گاہ میں آتے ہیں اس لئے ان کو اردو باقاعدہ کلاس میں پڑھائی جاتی ہے۔

ایک اور خصوصیت درس گاہ کی قابل ذکر ہے۔ مالابار سے یہاں کثیر تعداد میں طلبہ آتے ہیں جن کی مادری زبان ملایالم ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ وہ کیرالا میں عربی زبان کی پوری تعلیم حاصل کرکے درس نظامی کی تکمیل کے لئے یہاں آتے ہیں۔ مدرسہ باقیات صالحات کو مالابار میں بڑی اہمیت حاصل ہے یہاں آکر علمائے مالابار دو سال پڑھتے ہیں اور یہاں کی اعلیٰ سند مولوی فاضل لے کر اپنے وطن جاتے ہیں اس سال مالابار کے طلبہ کی تعداد سوا سو ہے ان سب کے لئے اردو زبان پڑھنی لازمی ہے۔ چونکہ اردو ہی علماء ہند کی امتیازی زبان ہے اس لئے یہاں کا یہ طریقہ بہت اچھا ہے کہ اس طرح علماء ملک کے دوسرے حصوں کے مسلمانوں کی زبان سے واقف ہو سکیں۔

ان مالاباری طلبہ کو دیکھ کر بڑا عمدہ و دلچسپ منظر پیدا ہوتا ہے۔ یہ تمام طلبہ ایک باریک اور سفید چھوٹا سا عمامہ سر پر باندھتے ہیں۔ میں نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ مالابار میں ٹوپی نہیں استعمال ہوتی۔ تو اس نے برملا کہا کہ نہیں یہ تو علماء کا لباس ہے۔ جلسہ میں جب مالاباری طلبہ بیٹھے ہوں تو ان کے عمامے نمایاں رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مالابار کی قریب قریب ہر مسجد ایک مدرسہ ہے اور چھوٹے بڑے تقریباً ڈیڑھ ہزار مدارس علوم اسلامیہ کے قائم ہیں۔ ان میں اکثر ابتدا میں ملایالم زبان میں فقہ شافعی اور قرآن و عقائد کی تعلیم ہوتی ہے بعضوں میں بیضاوی وغیرہ پڑھاتے ہیں مگر تکمیل کے لئے عموماً مدرسہ الباقیات الصالحات آتے ہیں۔ ہندوستان کے بالکل آخری خطہ میں مسلمانوں کی کثرت اور علم دین کا چرچا دیکھ کر دل کو جو خوشی و مسرت کی دولت ملتی ہے اس کو الفاظ کے قالب میں ڈھالا نہیں جا سکتا۔

(باقی آئندہ)

عالم اسلام

سیرالیون ۔ کل سے آج تک

تحریر : سلیمان محمود عطا
ترجمہ : عبید المختار انصاری

محل وقوع ۔ سیرالیون افریقہ کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ اس کا ساحل شمال میں گنی کی حدود تک اور جنوب میں لیبریا کی حدود تک ۲۱۰ میل میں پھیلا ہوا ہے۔

اس کے مشرق میں گنی اور لائبیریا ہیں اور مغرب میں بحر اٹلانٹک ہے۔ سیرالیون کا رقبہ ۲۷،۹۲۵ مربع میل ہے اور وہاں کی آبادی تقریباً پونے تین ملین افراد پر مشتمل ہے، سال میں یہاں صرف دو موسم ہوتے ہیں، برسات اور گرمی۔

برسات کا آغاز مئی سے ہوتا ہے اور اکتوبر یا نومبر تک موسلا دھار بارش ہوتی ہے کبھی کبھی کئی کئی روز تک لگاتار بارش ہوتی رہتی ہے۔

اقتصادی حالت : سیرالیون کے باشندوں کا ذریعہ معاش صرف یہ چیزیں ہیں۔

۱۔ کھیتی ۲۔ خام معدنیات۔

سیرالیون کی خاص پیداوار میں سے زیتون کا تیل کا کولا، ادرک، کیلا، اور چاول قابل ذکر ہیں سیرالیون کے باشندوں کے نزدیک معدنی چیزوں میں الماس کو بہت اہمیت حاصل ہے اس کے علاوہ پلاٹینیم، سونا وغیرہ اہم چیزیں ہیں۔

آزادی : سیرالیون میں نوجماعتیں تھیں ان سب نے متحدہ محاذ بنا کر سیرالیون کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ یہ سب لوگ ایک وفد بنا کر ۱۹۶۰ء میں موسم بہار میں لندن گئے اور قانونی کارروائی میں شرکت کی، وزیر نوآبادیات نے ان کو بتایا کہ سیرالیون کی آزادی کا فیصلہ ہو چکا ہے بالآخر ۲۷ اپریل ۱۹۶۱ء کو برطانیہ نے سیرالیون کو آزاد کر دیا۔

سیرالیون کی آزادی کے بعد وہاں کے سب سے پہلے صدر ڈاکٹر ملٹن مارجائی ہوئے۔ اور میں نے ۱۹۶۲ء میں ان سے ان کے دفتر میں ملاقات بھی کی تھی انہوں نے مجھ سے بتایا کہ مجھے اسلام سے بہت محبت ہے۔ اس لئے کہ میرے دادا مسلمان تھے اور اسی وجہ سے میں مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتا ہوں۔ اور مسیحیوں کے ساتھ گرجا گھر میں۔ اور یہ عادت سیرالیون کے حکام میں عام ہے اور بظاہر اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور اسی وجہ سے ان کو خوش اور راضی رکھنا پڑتا ہے۔

ڈاکٹر ملٹن کے بعد ان کے بھائی البرٹ وہاں کے صدر مقرر ہوئے اور وہ بھی انھیں کے نقش قدم پر چلتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۶۷ء کا انقلاب ہو گیا۔

اسلام کا داخلہ : مغربی افریقہ میں اسلام دو راستوں سے داخل ہوا۔ پہلا راستہ تو تیونس اور الجزائر کا ہے اور دوسرا ساحلی راستہ جو سینیگال کی طرف جاتا ہے اور وہاں سے مغربی افریقہ کے دوسرے علاقوں اور جنوبی صحرا تک پھیل جاتا ہے۔

خشکی کے راستے سے اسلام تجار اور معلمین کے ذریعہ سترھویں صدی میں داخل ہوا اس کے علاوہ ۱۸۰۰ء میں فولا کی مقدس جنگوں کے ذریعہ بھی اسلام کا داخلہ ہوا۔

اسلام کی اشاعت میں صوفی سلسلوں سے بھی کافی مدد ملی ہے اور ان میں اہم دو ہیں تیجانیہ اور قادریہ، ان کے کچھ وظائف و اوراد بھی ہیں۔ جن کے سیرانی مسلمان سختی سے پابند ہیں۔ اس کے لئے دو شنبہ اور جمعرات کی شام کو مساجد میں ان کا اجتماع بھی ہوتا ہے اور شاید ہی کوئی مسلمان ہو جو اس کی پابندی نہ کرتا ہو۔ یہاں تک کہ راستہ چلتے ہوئے بھی وہ ہلکی آواز سے کچھ پڑھتے رہتے ہیں۔ اور ان کی تسبیح ہاتھ میں ملتی رہتی ہے اور زبان سے اللہ کا ذکر جاری رہتا ہے۔ ان دونوں سلسلوں کے ذریعہ اسلام سے ناواقف لوگوں میں بھی اسلام بہت مقبول ہوا۔

انیسویں صدی کے نصف تک معلمین نے مدارس بھی قائم کر لیے اور اس کے سلسلہ میں کافی روپیہ خرچ کرتے رہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے درمیان اسلام سیرالیون کے مسلمانوں میں پھیلتا رہا یہاں تک کہ وہاں کے باشندوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد سیرالیونی مسلمان ہر طرف سے بے نیاز ہو گئے اس کا نتیجہ ہوا کہ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشن اسکول قائم ہو گئے اور ان میں مسلمان بچوں کو تعلیم حاصل کرنے میں خصوصی مراعات بھی دی جانے لگیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس تعلیم کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور بعض مسلمانوں نے اس تعلیم پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہو اور ہم مسلمان رہتے ہوئے جدید تعلیم سے ناواقف رہ جائیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم جدید تعلیم کے ماہر ہوں اور اسلام سے خارج ہوں۔

لیکن کچھ لوگوں نے اس نظریہ کی مخالفت بھی کی اور اپنے بچوں کو مشن اسکولوں میں تعلیم دلائی اور ان کے بچوں کو تعلیم کے بعد حکومت کے اچھے مناسب بھی حاصل ہوئے۔

سیرالیون میں اس وقت ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کی تعداد آٹھ سو سے زائد ہے جن میں اکثریت پر مشنریوں کا تسلط ہے۔

تعلیمی حالت : سیرالیون میں مختلف اقسام کی تعلیم دی جاتی ہے، ان میں ابتدائی، ثانوی تجارت صنعت و حرفت قابل ذکر ہیں ۱۹۲۷ء میں کلیف ٹے انجمن نے ایک یونیورسٹی برطانیہ کے ماتحت قائم کی اس یونیورسٹی نے کافی ترقی کی اور اس میں کئی شعبے قائم کیے گئے اور اسی وجہ سے طلبہ کی ایک کثیر تعداد اس میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ اس وقت اس میں زیادہ تعداد نائجیریا، غانا، یوگینڈا اور جنوبی افریقہ کے طلبہ کی ہے، اس میں ایک شعبہ دینی تعلیم کا بھی ہے جس میں انجیل کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس میں کامیاب طلبہ کو ڈپلومہ بھی دیا جاتا ہے۔

عربی تعلیم : سیرالیون میں ۱۹۶۱ء تک عربی تعلیم کا کوئی وجود نہیں تھا لیکن سب سے پہلا مدرسہ جمعیۃ الاخوۃ الاسلامیہ نے قائم کیا اور اس کو وسیع کرنے میں متحدہ عرب جمہوریہ نے ہاتھ بٹایا اور دو مدرس اس کے لئے مہیا کئے اور اس کے بعد بھی مدرس وہاں بھیجے جاتے رہے اس کے بعد تمام مسلمانوں میں ایک جذبہ پیدا ہوا اور ہر شہر میں مسلمانوں نے مدارس قائم کرنے شروع کئے۔ ۱۹۶۸ء تک جمعیۃ الاخوۃ الاسلامیہ کے ماتحت ۴۲ مدارس ابتدائی کھولے جا چکے تھے اسی جمعیۃ کے ماتحت ایک اسلامی مدرسہ ثانویہ بھی قائم ہے اور دوسرا مدرسہ ریحانیہ بھی اسی کے ماتحت ہے جس کے صدر الحاج جبریل سیسی ہیں جو جامعہ ازہر کے پہلے فارغین میں سے ہیں۔

سیرالیون میں ایک جماعت احمدیہ کے نام سے بھی موسوم ہے اور اس نے بھی کئی مدارس کھولے ہیں اس جماعت کے داعی ۱۹۳۷ء میں سیرالیون پہونچے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے اور آخر کار "بو" میں یہ جماعت مرکوز ہو گئی۔ اور یہیں سے اس کے افراد نے "فریٹاون"

باقی ص ۱۴ پر دیکھئے

مستقل عنوان

ذرا یہ بھی سنئیے ......!

محمد کلیم اللہ خاں

آج اپنے ملک کے مقبول ہندی اخبار "پنچ جنیہ" کے "ایک مانے ہوئے سوشلسٹ لیڈر اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے جان دھڑ کی بازی لگائے ہوئے یلتا" کے ایک پریس انٹرویو کی روداد سنئے۔

"ارے آپ تو الکشن ہار گئے"۔

"کیا کہا؟ ہار گئے؟ (دانت پیستے ہوئے) کون کہتا ہے کہ میں ہار گیا"؟

"سرکار۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ آپ کو شرمیتی جی کے مقابلہ میں ایک لاکھ سے اوپر ووٹ کم ملے"۔

"جھوٹ سفید جھوٹ"۔

"کیا مطلب، کیا ووٹوں کا شمار غلط ہوا ہے یا بیلٹ بکسوں میں گڑبڑ کی گئی ہو"۔

"اجی ہر چیز میں گڑبڑ ہوئی ہے۔ مجھے آپ لوگوں کی جہالت پر تعجب ہے۔ آپ اخباری نمائندے ہو کر مجھ سے یہ سوال پوچھتے ہیں۔ کیا آپ نے پریس میں یہ خبر نہیں پڑھی کہ کیمیائی مرکب لگے ہوئے بیلٹ پیپر اس جمہوری مدت کے انتخاب میں استعمال ہوئے تھے"؟

"یہ بات تو جن سنگھ کے شکست خوردہ لیڈر بلراج مدھوک نے بے پر کی اڑائی ہے"!

"دیکھئے زبان سنبھال کر بولئے۔ آئندہ شکست خوردہ نہ کہیئے گا ورنہ ......"!

"بس بس۔ اپنے جامے سے باہر نہ ہوئیے۔ یہ پریس کانفرنس ہے"۔

"بلراج مدھوک ہی کیا الزام لگاتے ہیں میرے پاس ملک کے کئی نامور سائنسدانوں کے خط آئے ہیں جنھوں نے مدھوک صاحب کے نظریہ کی تائید کی ہے"۔

"ذرا ہم بھی تو وہ خط دیکھیں"۔

"ابھی نہیں تھوڑا صبر کیجئے۔ میں موقع سے ان خطوط کو پریس میں دے کر اندرا حکومت کے کالے کارناموں کا پردہ فاش کر دوں گا"۔

"ضرور ضرور۔ لیکن ابھی تو ہم اس نظریہ کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کے اندرا ہٹاؤ" اور "غریبی مٹاؤ" قسم کے نعرے عوام میں مقبول کیوں نہیں ہوئے"؟

"میرے نعرے تو عوام میں خوب مقبول ہوئے لیکن میرا مقابلہ صرف شریمتی جی سے نہیں تھا بلکہ سرمایہ دار برلا کی رضائیوں، ڈی۔ آر۔ موہن کی شراب کی بوتلوں سیٹھ جے پوریا کی دھوتیوں کی گانٹھوں اور سیٹھ گوجر مل مودی کے فلمی ایکٹرسوں سے تھا"۔

"لیکن شرمان جی۔ یہ سب سرمایہ دار تو اندرا کانگریس اور اس کے انقلابی سوشلسٹ نظام کے کھلم کھلا مخالف ہیں"!

"یہ سب بکواس ہے، میں اس کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ آپ ذرا اور سنئیے جب عوام پر دولت اور شراب کا اثر نہیں ہوا تو تیسری چیز یعنی عورت کا لالچ دیا گیا۔ گاؤں گاؤں لونڈیاں گرائی گئیں۔ ناچنے والے لونڈوں کی پارٹیاں بھیجی گئیں۔ اور طوائفوں نے شریمتی جی کے حق میں اپیلیں کیں اور میرے خلاف بیانات جاری کئے"۔

"یہ طوائفیں آپ کے خلاف کیوں ہو گئیں"؟

(زوردار قہقہے)

"مجھے اس وقت انتہائی تعجب اور دکھ ہوا جب کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے حلقۂ انتخاب میں اندرا حامیوں نے ذات پات کے مسئلہ کو کھل کر اچھالا مسلمانوں میں فرقہ پرستی ابھارنے میں کسر نہیں اٹھائی گئی۔ ملاؤں مولویوں کو بلا کر یہ پروپیگنڈہ کروایا گیا کہ میں اور میری حامی جن سنگھ مسلمانوں کی دشمن ہے۔ اور اندرا گاندھی مسلمانوں کی دوست اور محافظ ہیں"۔

"کیا علی گڑھ اور مرادآباد کے بلوے میں جن سنگھ اور آر۔ ایس۔ ایس کا کھلا ہاتھ نہیں تھا"؟

"ہرگز نہیں۔ میرے پاس اس بات کا پورا ثبوت موجود ہے کہ جن سنگھ یا آر۔ ایس۔ ایس کا علی گڑھ کے دنگے سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ یونس سلیم اور اندرا کانگریس کے دوسرے لیڈروں کی یہ پہلے سے سوچی سمجھی اسکیم تھی جس پر پردہ ڈالنے کے لئے جن سنگھ کو اس دنگے کا ذمہ دار ٹھہرانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ مجھے لکھنؤ کے کئی کارکنوں نے بتایا کہ یونس سلیم اور فرقہ پرست اندرا کانگریس کے کچھ دوسرے لیڈروں نے مسلم طلبہ اور پرانے فرقہ پرست کارکنوں کے خفیہ جلسے کرا کے ان میں فساد پر اکسایا اور کمیونسٹوں نے بھی کھلے عام بلوائیوں کا ساتھ دیا"۔

"آپ کیا ان الزامات کے وہ ثبوت جو آپ کے پاس ہیں پریس کو اشاعت کے لئے دے سکتے ہیں"؟

"ضرور۔ لیکن ابھی نہیں۔ وقت آنے دیجئے"۔

"شاید آپ کے لئے مناسب وقت اگلے الکشن کے ہی موقع پر آئے گا"۔

(قہقہے)

"جی نہیں۔ وقت بہت جلد آنے والا ہے۔ بس سردست آپ کو ملک کے مشہور و معروف ہندی اخبار پنچ جنیہ کا ۱۵ مارچ کا پرچہ دیتا ہوں۔ اس اخبار کو ذرا کھول کر دیکھئے۔ شری ایل۔ سی۔ بی۔ کپور فرماتے ہیں کہ علی گڑھ کا فساد پہلے سے سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا۔ مذہبی گنڈوں نے کھل کر لوٹ مار کی ہے۔ بھارتیہ کرانتی دل کے سکریٹری جنرل پرکاش ویر شاستری کا بیان ہے کہ مجھے علی گڑھ کے بہت سے ذمہ دار شہریوں نے بتایا ہے کہ یونس سلیم نے انتخاب کے میدان میں قدم رکھتے ہی الکشن کو ہندو مسلم رنگ دے دیا۔ انھوں نے اپنی جیت کو اسلام کی جیت بتایا"۔

"شاستری جی نے اپنی جیت کو عوام کو کیا بتایا تھا کہ ان کو شرمناک شکست کا منھ دیکھنا پڑا"؟

"خاموش خاموش۔ شاستری جی ہی پر کیا منحصر ہے اتر پردیش کے ہیلتھ منسٹری بی۔ این۔ سنگھ بھی اندرا کانگریس کے گنڈوں کی شرمناک حرکتوں کو دیکھ کر رو پڑے"۔

"بی۔ این۔ سنگھ تو بیچارے الزام میں بھی اندرا کانگریس کے حامی عوام کے ہاتھوں اپنی ذلت برداشت کر چکے ہی رو چکے تھے۔ ذرا یہ بتائیے کہ ہیلتھ منسٹری کی حیثیت سے علی گڑھ کے فساد زدگان کے لئے انھوں نے کیا کیا؟ ہمارے خیال میں تو صرف مگرمچھ کے آنسو بہائے"۔

"ہیلتھ منسٹری نے فوراً علی گڑھ کے کلکٹر اور پولیس کپتان کو معطل کر دیا ہے"۔

"جی ہاں۔ فساد کے بعد یہ ہوا ہے۔ فساد سے پہلے کیا سو رہے تھے"؟

"صوبائی سرکار بالکل مجبور ہو گئی تھی کیونکہ جب اندرا گاندھی یونس سلیم کو جتانے کے لئے جو ہولی کھیل رہی تھیں اس میں دخل دینے کی ہمت نہ الکشن افسر کر سکتے تھے اور نہ ضلع کے حکام۔ یونس سلیم علی گڑھ میں تانا شاہ بنے ہوئے تھے"۔

"آپ کی گفتگو سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ آپ یونس سلیم صاحب سے اس لئے ناراض ہیں کہ انھوں نے صدر کے انتخاب میں اندرا گاندھی کا ساتھ دیا تھا اور ان کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں ملک کے مسلم عوام نے متحد ہو کر اندرا گاندھی کی پالیسی اور پروگراموں کی حمایت کی ہے"۔

منی آرڈر کوپن صاف تحریر کیجئے
خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

بقیہ سیرالیون کل سے آج تک

... پہنچے ہیں کہ ... یہاں ایک عالی شان عید کا قیام عمل میں آیا ... مکتبہ اور پریس بھی قائم کیا گیا ... بھی ضرور ... پورا کرنے کے لئے بعض مصنوعات کی تجارت بھی ... کر دی گئی۔ اس طرح وہاں کا مسلمان ... کا گرویدہ ہو گیا۔

مسجدیں:- سیرالیون میں مساجد کی تعداد بہت زیادہ ہے ہر قبیلہ اپنے لئے مسجد تعمیر کرتا ہے اس وقت تین سے زائد مسجد ... میں ... بعض مساجد کی تاریخ بہت پرانی ہے۔

فوجی بغاوت:- حکومت اور ان مخالف پارٹیوں میں انتخابات میں کامیابی کے بعد بعض اختلافات پیدا ہو گئے ہیں جن کے سبب سے ... مارچ ... کو فوج نے تمام نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا ... بعد فوج میں بغاوت ہو جانے کے سبب ... پارٹی برسر اقتدار آ گئی۔ اور ... وہاں کے صدر ہو گئے اور یہ پہلے صدر ہیں جنہوں نے وہاں کی صحافت کو آزادی دی اور اخباروں کو ہر معاملے پر روشنی ڈالنے کی اجازت دی۔

اسی بغاوت کے نتیجہ میں الحاج محمد نجیب تیجان ... سیرالیون کے پہلے مسلم حاکم مقرر ہوئے محمد نجیب تیجان کا تعلق ... قبیلے سے ہے ... وہاں کے ... مسلمانوں میں ممتاز شخصیت رکھتے ہیں ... محمد نجیب تیجان بھی جمعیۃ الاخوۃ الاسلامیہ کے سرگرم رکن ہیں۔

بقیہ — نوبل پرائز

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانہ میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

... ثبات اور تغیر ... یہاں سکون ہی نہیں ہے ... بھی اور ... بھی آزاد ... ترقیوں کا زمانہ ہے ... لوگ جان جو کھوں میں ... چیزیں بھی ... ایٹم بم ... دنیا بہت ... نظم کہی ہے جس ... چشمہ کا، چشمہ کو نالہ کا، نالہ کو دریا کا، دریا کو سمندر کا اور سمندر کو ... ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ...

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ فنا کی اپنی خطرات ہیں ... خودی ... یعنی سب کھیل عمل کا ہے عمل ہی پر سب دار و مدار ہے فلسفہ اور خشک نہ ہو یہ اقبال ہی کا کمال ہے۔ ایسی شاعری کسی انگریزی شاعری میں بھی نہیں۔ خواہ ملٹن ہوں یا شکسپیر خاص طور پر ستاروں پر خوب کہا ہے۔ آخری ستارہ یعنی صبح کے ستارہ پر کہ

عمر بس اتنی ملی کہ ایک نظر ملی

یعنی کچھ نہ دیکھ سکا۔ جلد وقت ختم ہو گیا۔ ایک جگہ تبلیغ دے رہے ہیں کہ انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔ اب رونا کیا؟

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک

دنیا بدل چکی ہے اب رنج و غم سے کیا فائدہ۔ اب یہ بات صادق آ رہی ہے کہ جمہوری نظام کا زمانہ ہے اب سلاطین کے ہاتھ سے کیا فائدہ۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ آرام ڈھونڈنے والے ہی مصیبت اٹھاتے ہیں اور تباہ ہوتے ہیں اور تکلیف اٹھانے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں فرماتے ہیں

ہوئے غرق دریا زیر دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو بن کر گہر نکلے

ایک جگہ اپنی تعریف میں فرماتے ہیں۔

کھولتی ہے آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

انہوں نے مرنے سے پہلے جو شعر فارسی میں کہے وہ ان کی مذہبیت کے آئینہ دار ہیں۔ مثلاً

نسیمے از حجاز آید کہ ناید

آخر زمانہ میں یہ شعر فارسی کا کہا۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

ایک جگہ خود حافظ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

ایسے کو نوبل کہیں مل سکتا ہے جو مذہب کو سب سے بالاتر سمجھے اور تبلیغ کرتا رہے ایک جگہ فرماتے ہیں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

پھر فرماتے ہیں

کبھی قبلہ رو جو کھڑا ہوا تو حرم سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

ایک جگہ فرماتے ہیں

تری نماز بے سرور ترا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

غرض وہ بڑے مذہبی فلسفی شاعر تھے۔ ... انتہا پرستی، حالی کو بھی انتہائی درد مسلمانوں کا تھا مگر وہ فلسفی نہ تھے اور انگریزوں سے متاثر تھے اور یہ کسی سے متاثر نہ تھے۔ یہ مسلمانوں کا بلند مقام سمجھتے تھے اور خودی کو قربان کرنا سخت قسم کی غلطی سمجھتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ فلسفہ کے بادشاہ تھے۔ خودی کے پرستار تھے تیزی کے دلدادہ تھے اسلام کا درد ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا فریاد امت کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں
دیکھ اے چشم عدو مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ
جس پہ خالق کو ہو ناز وہ انسان ہوں میں

اقبال فلسفہ اور مذہب دونوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور یہی ان کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

بقیہ مشرق اوسط کی ڈائری

ہے لہٰذا مقیم کو حالت تجارت میں جمع بین الصلوٰتین کی اجازت ہونی چاہئے اسی طرح کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو موسم گرما میں فدیہ دے کر روزہ توڑنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ اسی طرح فقہ کے بعض ایسے اصول ہیں جن میں کبھی غریب پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی امیر سے ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا اس پر نظر ثانی ہونی چاہئے۔ اسی طرح حج میں کچھ لوگوں کو قربانی کے بجائے کھجور صدقہ کرنے کا مشورہ دینا چاہئے اس لئے کہ قربانی کا گوشت ضائع ہو جاتا ہے، اکثر کر فضا کو متعفن کرتا ہے جس سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اصول دین کے خلاف ان خیالات پر میں نے اپنے اختلاف و ناگواری کا اظہار کیا مگر چونکہ یہ پہلی ملاقات تھی اس لئے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

احمد امین کی نظر میں عربی طرز فکر اور مغربی طرز فکر کا فرق

پھر وہ عربی طرز فکر اور مغربی طرز فکر پر گفتگو کرنے لگے کہنے لگے عربی طرز فکر تحلیل و تجزیہ میں بھی ممتاز ہے اسی لئے تصوف میں اس کی طبیعت خوب چلتی ہے جرمن طرز فکر پر گفتگو کی اور اس کی گہرائی کی تعریف کی انہوں نے کہا کہ وہ تصوف سے زیادہ قریب ہے محمد اسد صاحب کی کتاب الاسلام علی مفترق الطرق پر پسندیدگی کا اظہار کیا بڑی علمی مجلس تھی جس میں علم و دین دونوں کا ذکر رہا، دوسرے دن دوپہر کے کھانے کی دعوت دی میں نے کہا کسی اور دن کے لئے گفتگو کریں گے۔ ماذا خسر العالم کے پانچ نسخے مجھے ہدیہ کئے ہیں نے کہا کہ آپ کی کتاب ... کے مطالعہ کا اشتیاق تھا وہ مجھے نہ ہندوستان میں ملی نہ حجاز میں — چنانچہ اس کتاب کا ایک نسخہ منگا کر مجھے ہدیہ کیا۔

(باقی آئندہ)

... دیکھ کر سخت حسرت ہوتی ہے کہ یہ عظیم الشان مسجد جو اپنی وسعت و عظمت کے باعث ہندوستان میں جامع ازہر مصر کا مقام حاصل کر سکتی ہے۔ اپنے اولوالعزم بانی کی وفات اور انقلاب زمانہ کی وجہ سے ناتمام رہ گئی۔ وہ زبان حال سے مسلمانوں کی بے توجہی اور کم ہمتی کا شکوہ کرتی ہے کہ وہ اس عظیم اسلامی تعمیری کارنامے کی تکمیل نہ کر سکے۔ ہر آنے والے کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوتی ہے کہ کاش یہ عمارت مکمل ہو جاتی۔ یہ بھی تاریخ کا ایک المیہ اور عالم اسلام کا ایک حادثہ ہے کہ ایسے زمانہ میں جب کہ بیسیوں اسلامی ممالک موجود ہیں اور چپہ چپہ پر مساجد و مدارس اور اسلامی اداروں کی عظیم الشان عمارتوں کی بنیادیں پڑ رہی ہیں اور مسلمان دل کھول کر اپنے ذاتی اور جماعتی کاموں پر روپیہ صرف کر رہے ہیں، ایک ایسی مسجد پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی جو تھوڑی سی توجہ سے اپنی عظیم عمارت اپنے وسیع رقبہ اور اپنے جاہ و وقوع کی وجہ سے ایک عظیم جامعہ اور ایک دعوتی اور تربیتی مرکز میں تبدیل ہو سکتی ہے اور اس پر تھوڑا سا خرچ کرنے سے اس عظیم عمارت کو محفوظ اور کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔ اور جس سے اگر مزید غفلت کی گئی تو اس عمارت کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اگر یہ مسجد از سر نو بنائی جاتی ہے اور اس کی موجودہ عمارت موجود نہ ہوتی تو موجودہ پیمانہ کے مطابق اس پر چار کروڑ سے بھی زیادہ رقم خرچ ہوتی لیکن اب موجودہ شکل میں اندازاً پچیس لاکھ روپے کی رقم سے یہ عظیم عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے اور اس کے مخدوش حصوں کو محفوظ کیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں نہ صرف ایک مسجد کی تکمیل ہو گی بلکہ وہ عظیم دینی جامعہ کی بھی جملہ ضروریات پوری کر دے گی۔

بھوپال کی اس عظیم مسجد میں قائم ہونے والی یہ عظیم درسگاہ عریض و وسیع ہندوستان کے درمیان اس طرح واقع ہے کہ اس کو ہندوستان کا قلب و جگر کہہ سکتے ہیں۔ اسی لئے یہ دارالعلوم تاج المساجد اور دینی تعلیم گاہ و تربیت گاہ ایک ایسے نقطۂ اعتدال پر ہے کہ بیشتر صوبوں کے قریب ہے اور کم از کم یو۔ پی۔ کی درسگاہوں کے لئے جنوبی اور جنوب مغربی ہندوستان کے حق میں ایک درمیانی کڑی اور ایک مفید رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

دارالعلوم تاج المساجد
تعلیمی خدمات:- کا افتتاح ۱۹۴۹ء ہوا ہے۔ یہاں کے طلبہ مستند درسگاہوں میں جاتے رہے اور بعض ایسے ہونہار بھی تھے کہ وہ ہندوستان کی کسی مسلم درسگاہ سے فارغ ہو کر جامعہ ازہر مصر میں پہنچے اور وہاں سے اعلیٰ اسناد علمی حاصل کیں۔ اس مدت میں دارالعلوم کے شعبۂ حفظ میں ۹۳ حافظ کلام اللہ تیار ہوئے۔ اس دور میں دارالعلوم کی عملی تعلیم ایسی ہے کہ مسلمانوں کی اولاد کو سرکاری اسکولوں کے مساوی تعلیم دینے کے ساتھ اردو اور بنیادی دینی تعلیم سے بھی بہرہ اندوز کر رہی ہے۔ ورنہ جس قدر بچے اب ... سرکاری اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں وہ بنیادی دینی تعلیم سے اور اردو سے بھی بیگانہ رہتے ہیں۔

دارالعلوم تاج المساجد کے اغراض کے لئے انتہائی اختصار و اجمال سے کام لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۔ دینی تعلیم۔ ۲۔ دینی تربیت۔ ۳۔ دینی دعوت و تبلیغ۔ ۴۔ اور تاج المساجد جیسی عظیم الشان مسجد کی تعمیر و تکمیل — دارالعلوم تاج المساجد کے یہ چار بنیادی مقاصد ہیں۔

دارالعلوم تاج المساجد
تعمیری خدمات:- بھوپال نے اس اٹھارہ سالہ مدت میں تعلیمی و تربیتی خدمات کو قائم رکھنے کی اپنے محدود وسائل کے مطابق کوشش کی ہے۔ تعمیری نقوش کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) صحن مسجد کو ہموار کیا گیا، ایک گوشہ اب بھی باقی ہے (۲) تقریباً ایک ثلث صحن پر سنگین ... نصب کئے جا چکے (۳) صحن مسجد میں ۵۰ × ۵۰ مربع حوض تعمیر کیا گیا (۴) اس طرف بھلے دالانوں کو ... اور محفوظ کمروں میں منتقل کیا گیا (۵) مشرقی دروازے کے قریب شمالی رخ کی چھت مکمل کی گئی (۶) بعض بالائی چھتوں کے فرش کو مکمل کیا گیا (۷) دالانوں کی تمام چھتوں کے بارش کی درز بندی کی گئی (۸) شمالی رخ میں زنانہ مسجد کے ایک ... کا فرش مکمل کیا گیا (۹) وسطی محراب کے سامنے سنگ مرمر کا زینہ بنوایا گیا (۱۰) باقی محرابوں کے سامنے سنگین زینے بنوائے گئے (۱۱) پورے صحن اور مسجد کے اندرونی حصوں میں بجلی کی فٹنگ کرائی گئی (۱۲) وسعت مسجد کے ... نلوں کو نصب کر کے آبرسانی کا انتظام کیا گیا (۱۳) دارالاقامہ کے کمرے بنوائے گئے (۱۴) طلبہ کے لئے دارالطعام بنوایا گیا (۱۵) پندرہ دروں کا دالان بنا کر اس طویل ہال میں بزم کتب خانہ قائم کیا گیا (۱۶) صحن مسجد میں عارضی سایہ کے لئے آہنی ستون قائم کر کے آہنی جال کھینچا گیا (۱۷) اسی وسیع صحن میں لاؤڈ اسپیکر کے لئے بجلی کی لائننگ کی گئی (۱۸) دارالعلوم کے لئے کمرے بنوائے گئے (۱۹) طلبہ کے ... اور خصوصی مہمانوں کے لئے مہمان خانہ بنوایا گیا (۲۰) بیرون مسجد غسل خانے و استنجا خانے و پاخانے تعمیر کئے گئے۔

تعمیری فکریں:- بھوپال اور ہندوستان کی مالی اعانت سے اس وسیع و عریض تین منزلہ مسجد کے اب تک جو سوم انجام پا چکے ہیں ان کی فہرست پیش کی جا چکی، ہندوستانی مسلمان جتنا کچھ کر سکے تھے اور کر سکتے ہیں ان کا سلسلہ قائم ہے اور ہم نے اپنا معمول یہ رکھا ہے کہ رقم فراہم ہو جانے کے بعد کسی کام میں تاخیر و تعویق نہ کی جائے اور بحمد اللہ خدائے کریم نے ہماری بہت زیادہ مدد فرمائی فللہ الحمد وللہ الشکر۔

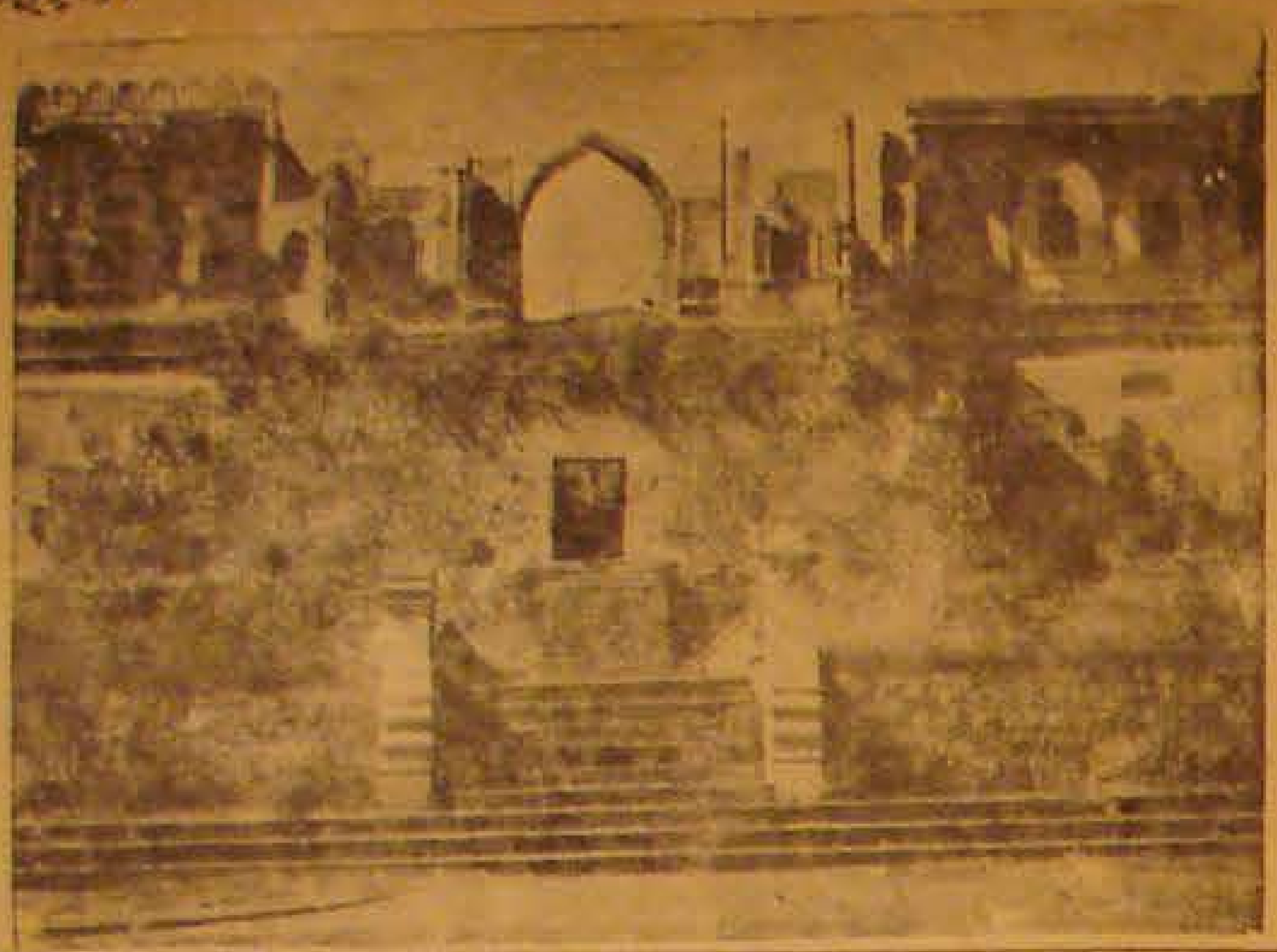

تاج المساجد بھوپال کا صدر دروازہ جو ستر سال سے تشنۂ تکمیل ہے

سنگی دالان کا اندرونی حصہ